Jul. Aug. Sep. 2023
شمارہ: جولائی، اگست، ستمبر
مسلک اعلیٰ حضرت کا سچا اور بے باک ترجمان
سہ ماہی
گھوسی
امجدیہ
واقعات کربلا کے بنیادی مصادر
بہار شریعت
کے چند مسائل کی تحقیق
صحابہ کرام پر رافضیوں کی تہمت
اور بدکلامی کا تاریخی جائزہ
قادیانی فتنہ اسلام کے خلاف ایک عظیم صیہونی سازش
اعلیٰ حضرت
اور نیوٹن کی کشش ثقل

بیادگار:۔ حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان

زیر سرپرستی:۔ جانشین صدر الشریعہ محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی

طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو

جلد ۱۶، شمارہ ۶۳
اکتوبر تا دسمبر ۲۰۲۲ء

مجلس مشاورت

مولانا فداء المصطفیٰ قادری

مفتی محمود اختر قادری	ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی
مولانا عبد الرحمٰن	مولانا جمال مصطفیٰ قادری
مولانا محمد صدیق	حکیم حاذق انصاری
مولانا محمد ابو الحسن قادری	حافظ ایاز محمود
مولانا شمشاد احمد مصباحی	حافظ محمد سمیع اللہ امجدی

مدیر اعلیٰ	مفتی فیضان المصطفیٰ قادری
مدیر مسئول	مفتی شمیم رضا اویسی امجدی
معاون مدیر	مولانا ابو یوسف محمد
سرکولیشن منیجر	ماسٹر شکیل انور
اشتہار منیجر	ماسٹر سرفراز احمد
تزئین کار	مولانا ریحان المصطفیٰ قادری
کمپوزر	حافظ محمد تکمیل امجدی

مراسلات وترسیل زر کا پتہ

TAIBATUL OLAMA
JAMIA AMJADIA RIZVIA
GHOSI 275304 MAU (U.P.) INDIA

قیمت خصوصی شمارہ	۵۰ روپے
سالانہ ممبری فیس	۸۰ روپے
بیرونی ممالک سے	۲۰ امریکی ڈالر
فون نمبر	۰۵۴۶۱-۲۲۲۰۴۶

پرنٹر، پبلشر و پروپرائٹر علاء المصطفیٰ قادری نے اسٹار آفسیٹ پرنٹنگ پریس 2229/A احاطہ حجن بی، رود گران، لال کنواں، دہلی سے چھپوا کر دفتر سہ ماہی امجدیہ، طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، ضلع مئو سے شائع کیا۔

فہرست مضامین

شمار	مضامین	مقالہ نگار	صفحہ
۱	حضور محدث کبیر کا دورۂ امریکہ (اداریہ)	مفتی فیضان المصطفیٰ قادری	3
۲	ضیائے تفسیر قسط نمبر: (۲۲)	علامہ عبد المصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ	6
۳	ضیائے حدیث قسط نمبر: (۲۳)	حضور محدث کبیر مدظلہ العالی	15
۴	ضیائے فقہ وفتاویٰ	مفتی ابوالحسن قادری۔ استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ	19
تحقیقات			
۵	بہار شریعت کے چند مسائل کی تحقیق	مفتی فیضان المصطفیٰ قادری	25
۶	صحابۂ کرام پر رافضیوں کی تہمت اور بدکلامی کا تاریخی جائزہ	مفتی شمیم رضا اویسی	37
۷	واقعات کربلا کے بنیادی مصادر	مولانا کوثر امام قادری	40
اسلامیات			
۸	کثرت طلاق کی وجوہات اور ان کا شرعی حل	مفتی مشتاق احمد امجدی	49
۹	قادیانی فتنہ اسلام کے خلاف ایک عظیم صہیونی سازش	مولانا غلام مصطفیٰ رضوی	56
رضویات			
۱۰	اعلیٰ حضرت اور نیوٹن کی کشش ثقل	مولانا محمد ہاشم رضا قادری	59
شخصیات			
۱۱	مخدومہ عالمہ فاضلہ عائشہ خاتون علیہا الرحمہ	محترمہ عالمہ رضیہ شاہین صاحبہ	64
۱۲	تاثرات	علمائے کرام	67
۱۳	**رپورٹ** عرس امجدی ۱۴۴۴ھ	مفتی شمیم رضا اویسی امجدی، جامعہ امجدیہ رضویہ	70

اداریہ

(پہلی قسط)

حضور محدث کبیر کا دورۂ امریکہ

تحریر: فیضان المصطفیٰ قادری

میرے استاذ کریم حضور محدث کبیر قبلہ کے غیر ملکی دوروں کا سلسلہ بڑا طویل ہے۔ اندازاً ۱۹۹۰ء سے حضرت کے غیر ملکی دورے شروع ہوئے، اور چار پانچ سال کے اندر اندر یہ سلسلہ دنیا کے بیشتر ممالک تک پھیل گیا۔ ۲۰۰۰ء تک آپ کے دورے کثرت سے افریقی ممالک کے ساتھ ساتھ یورپی ممالک کے ہوئے، اور کچھ دورے امریکی ممالک کے بھی ہوئے۔ پہلی بار جب امریکہ کے دورے پر تشریف لے گئے اس وقت ہم جامعہ امجدیہ میں تدریسی فرائض میں منہمک تھے۔ ۲۰۰۳ء میں اس فقیر کا پہلی بار امریکہ کا سفر ہوا، ہمارا یہ سفر تو صرف دو ماہ کے لیے تھا، لیکن امریکی احباب کے اصرار پر قیام بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ پورے پانچ سال مکمل ہونے پر واپسی ہوئی، ہمارا مستقل مزاج تدریس رہا ہے اس لیے ہمیں امریکہ میں مستقل قیام کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ ۲۰۰۸ء میں واپسی ہوئی، لیکن چار سال کے بعد پھر امریکی احباب نے مدعو کیا اور اس بار درس نظامی کی تدریس کے لیے دعوت دی، کیوں کہ امریکہ کی مرکزی مسجد النور میں دار العلوم کے قیام کی تیاری تھی، ہم نے معذرت کی، مگر ان حضرات کو اصرار تھا کہ اس فقیر ہی کو یہ تعلیمی سلسلہ شروع کرنا ہے، اس کی تفصیلات پھر کبھی۔

بہر کیف! اسی حوالے سے ہم ۲۰۱۲ء میں اکتوبر کے اواخر میں دوبارہ ہیوسٹن پہنچ گئے، وہاں چند ماہ کی محنت سے اندازہ ہو گیا کہ بڑی تعداد میں نہ سہی لیکن کچھ علما تو پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ ارادہ بنا لیا کہ اتنے روز تک امریکہ میں قیام رکھا جائے کہ مذہبی مزاج رکھنے والے کچھ نوجوانوں کو علم دین سے آراستہ کر کے نوجوان علما کی ایک ٹیم تیار کر لی جائے، ہمیں چند نوجوان مل گئے اور ہم پوری تن دہی کے ساتھ اپنے مشن پر لگ گئے۔

اپنے مشن میں پوری کامیابی، استحکام اور پختگی کے لیے ہم چاہتے تھے کہ اس کام میں اپنے بزرگوں کا فیض بھی شامل ہو جائے، چنانچہ حضور تاج الشریعہ اور حضور محدث کبیر کے دورۂ امریکہ کے لیے سلسلہ جنبانی شروع کی، دونوں بزرگوں کا ویزا اکسپائر ہو چکا تھا۔ نیا ویزا الگوانا ایک مشکل کام تھا، مگر دلی خواہش تھی کہ کسی طرح دونوں بزرگوں کی آمد ایک بار اور ہو جائے تاکہ وہاں مسلک اعلیٰ حضرت کے مشن کو فروغ اور استحکام ملے۔ ہم نے محسوس کیا کہ ہم جس نہج پر کام کرنا چاہتے ہیں اس میں کامیابی کے لیے ان دونوں بزرگوں کی تشریف آوری ضروری ہے۔ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے ویزا کے لیے سلسلہ در سلسلہ کئی لوگوں سے رابطہ کرنا پڑا، کافی دیر ہونے لگی تو سوچا کہ فی الحال حضور محدث کبیر کا ہی دورہ ہو جائے، چنانچہ ہم نے آن لائن ویزا اپلیکیشن بھر کر ضروری کاغذات کے ساتھ جمع کر دیا، اور انٹرنیٹ کے ذریعہ انٹرویو کی تاریخ لے لی۔ اب حضور محدث کبیر مقررہ تاریخ پر دہلی کے امریکن قونصل خانہ پہنچ گئے، انٹرویو کے بعد باہر نکلتے ہی مجھے فون کیا اور ویزا لگنے کی خوش خبری سنائی۔ فرمایا: سب کاغذات لے جانا بیکار رہو گیا۔ میں نے عرض کی: کیوں؟

فرمایا: اس نے کچھ مانگا ہی نہیں، بس ویزا لگا دیا۔ ہماری خوشیوں کا ٹھکانہ نہ تھا۔ حضرت گھر تشریف لے گئے، دو چار روز کے بعد جب بذریعہ ڈاک پاسپورٹ ملا تو معلوم ہوا کہ دس سال کا ویزا لگ چکا ہے۔ ۲۰۱۴ء غالباً ماہ اکتوبر تھا۔

اب پروگرام کی تیاری شروع کی، کل ۲۰، یا ۲۲ دن کا دورہ ترتیب دیا گیا۔ ایک ہفتہ ڈیلاس کے لیے، دو روز شکاگو کے لیے اور دس یا بارہ روز ہیوسٹن کے لیے جہاں ہم کام کرتے تھے۔ ''ہیوسٹن'' امریکی ریاست ''ٹکساس'' کا سب سے بڑا اور امریکہ کا چوتھا بڑا شہر ہے۔ ریاست کا دوسرا بڑا شہر ''ڈیلاس'' ہے، دونوں شہروں میں سنی مسلمان بڑی تعداد میں رہتے ہیں۔ چونکہ ہم ٹکساس کے شہر ہیوسٹن میں رہتے تھے اس لیے حضور محدث کبیر کے اس دورے کو ہم نے امریکی صوبہ ٹکساس خصوصاً ''ہیوسٹن'' کے لیے رکھا تھا، تاکہ اس خطے میں امام اہل سنت حضور اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کے مطابق کام کا ماحول بنایا جا سکے۔ اور اکابر علماء کے بغیر ایسا خاطر خواہ ماحول بنانا بہت مشکل تھا۔

اب ذرا امریکہ کے سماجی اور مذہبی حالات پر ایک نظر ڈالیں، یہ دورِ آزادی ہے، آزادیٔ فکر، آزادیٔ رائے، آزادیٔ مذہب وملت ۔ مغربی ممالک میں ہماری قوم باقی دنیا سے دس ہاتھ آگے ہے، نوجوان نسلیں تو مذہب سے ہی بیزار ہو رہی ہیں، مذہبی پابندیاں ان کو ذرا نہیں بھاتیں، جو لوگ مذہبی مزاج رکھتے ہیں ان میں بھی مذہب کی تجدید کاری کا خمار چھایا ہوا ہے۔ مذہبی جلسوں کے لیے بھی ایسا مقرر تلاش کیا جاتا ہے جو سلیبریٹی سے کم نہ ہو، ٹی وی پر فیورٹ چل رہے خطیب کی پذیرائی ہوتی ہے۔ مقررین کو دعوت دینے سے پہلے یوٹیوب اور سوشل میڈیا پر ان کی تقریر کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ خطیب کتنا دم دار ہے۔ ایسے ہی خطیبوں کو سننے کے لیے مجمع اکٹھا ہوتا ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے لوگ اب محتاط علماء کو مدعو کرنے کا شوق بھی نہیں رکھتے۔ سنیوں کی کمی نہیں، لیکن ترقی یافتہ ملک میں رہتے رہتے مزاج بھی ترقی پذیر بن گیا ہے۔ حالانکہ کچھ اچھے مسلمان بھی ہیں جو ناموافق حالات میں بھی اپنا دین وایمان بچائے ہوئے ہیں، کچھ انڈین یا پاکستانی مسلمان بھی ملتے ہیں جو یہاں غیر مذہبی ماحول میں رہے اور دیارِ غیر میں پہنچ کر مسجدوں اور نمازیوں سے انس پیدا ہو گیا اور وہیں دین سیکھ کر دین سے وابستگی بڑھی، دوسری طرف ایسوں کی بھی کمی نہیں جو ہرجائی قسم کے مسلمان ہیں، ہر جگہ نماز پڑھ لینا، اور ہر ایک محفل میں شریک ہونا، اور بعض ایسے مسلمان بھی ملتے ہیں جو دینی محفلوں میں جس پابندی سے شریک ہوتے ہیں اسی پابندی سے فلمی کنسرٹ اور ڈراموں میں بھی شوقیہ اور علانیہ جاتے ہیں۔ ایسے ماحول میں دین کا کام کرنے میں دقتیں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں۔ بعض شہروں میں ذبیحہ کے مسائل میں کافی بیداری آگئی ہے۔ لیکن فوٹو گرافی اور ویڈیو گرافی کی وبا عام ہے۔ ہم جیسے لوگوں کے لیے دقت یہ ہوتی ہے کہ تاج الشریعہ کے موقف پر جو اصل مذہب حنفی اور دین حق ہے اس پر ثابت قدمی چاہتے ہیں، لوگوں کو منع کریں تو کون سنے؟ کون مانے؟ ہمارے امریکہ قیام کے دوران ہمارے بے شمار خطابات ہوئے، اور سوال وجواب کے سیشن بھی ہوئے۔ بہت محفلیں ہوئیں، ہم نے کسی محفل میں نہ خود ویڈیو بنائی، نہ کسی سے بنوائی، لیکن کچھ خطابات لوگوں نے ویڈیو ریکارڈ کر لیے، ہم اپنے ان تمام ویڈیوز سے بیزار ہیں۔ وہاں رہتے ہوئے ان مسائل کا حل ہمیں کچھ نظر نہ آیا سوا اس کے کہ ہم امریکہ میں اپنا قیام مختصر کر دیں۔ چنانچہ ہم نے ارادہ بنا لیا کہ کام مکمل کرتے ہی واپس چلے جائیں گے۔ مغربی ممالک میں طویل عرصہ تک قیام سے مزاج میں تبدیلی متوقع ہوتی ہے، اس لیے ہم اپنے مشن پر لگ گئے، حضور محدث کبیر کا دورۂ امریکہ اسی مشن کا ایک حصہ تھا۔

بہرکیف! حضور محدث کبیر کے دورے کا وقت قریب آیا، تیاری زوروں پر تھی، ڈیلاس، ہیوسٹن اور شکاگو میں تاریخیں دے دی گئیں، امارات کی فلائٹ سے ٹکٹ بنا، حضور محدث کبیر ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۴ء کو شب میں ممبئی سے روانہ ہوئے اور دبئی ہوتے ہوئے یکم جنوری کو دن میں ڈیلاس پہنچ گئے۔ ہم حضرت کے استقبال کے لیے فیملی کے ساتھ ہیوسٹن سے ڈیلاس پہنچ گئے اور ڈیلاس کے سارے پروگراموں میں ساتھ ساتھ رہے۔ ڈیلاس میں دو تین بڑے پروگرام ہوئے، وہیں سے شکاگو کے ڈاکٹر خالد صاحب دو روز کے لیے حضرت کو شکاگو لے گئے، ہم ڈیلاس سے ہیوسٹن آگئے تاکہ ہیوسٹن میں حضرت کے استقبال کی تیاری کی جائے، جنوری کا مہینہ اور کڑاکے کی سردی تھی، شکاگو میں تو درجہ حرارت زیرو سے بھی نیچے تھا، ہر طرف برف ہی برف جمی ہوئی تھی، وہاں سے حضرت سیدھے ہیوسٹن تشریف لائے، اور فرمانے لگے: ''شکاگو پہنچتے ہی ایسا لگا جیسے لوگوں نے مجھے فریزر میں رکھ دیا ہو''۔ گویا دو دن حضرت فریزر میں ہی رہے۔ شکاگو کی ٹھنڈک کا حال یہ ہے کہ موسم سرما میں شب و روز برف باری ہوتی رہتی ہے۔ ہر چہار جانب کئی کئی فٹ برف جمی ہوتی ہے۔ سڑکوں پر برف اس قدر ہوتی ہے کہ مسلسل برف کشا گاڑیاں سڑکوں پر نمک کا چھڑکاؤ کرتی چلتی رہتی ہیں جس سے برف تیزی سے پگھلتی ہے اور پیچھے پیچھے لوگوں کی گاڑیاں چلتی رہتی ہیں۔ رات میں لوگوں کی گاڑیاں برف میں ڈھک جاتی ہیں صبح لوگ گاڑیوں سے برف ہٹاتے ہیں، کئی ماہ کے لیے پورا شہر برف کی سفید چادر اوڑھ لیتا ہے، پھر بھی زندگی رواں دواں رہتی ہے۔ لیکن ہیوسٹن بلکہ پورے ٹکساس کا موسم ہندوستان کے موسم کی طرح ہے، اس لیے ہیوسٹن میں حضرت کا زیادہ وقت لیا گیا تھا۔ حضرت جب ہیوسٹن پہنچے تو ہماری ٹیم استقبال کے لیے ائیر پورٹ پہنچی، ائیر پورٹ سے لے کر النور مسجد ہوتے ہوئے علامہ ڈاکٹر غلام زرقانی صاحب کے گھر پہنچ گئے جہاں چند روزہ قیام رکھا گیا تھا۔ ہیوسٹن میں ہم نے منصوبہ بنالیا تھا کہ گھر میں تبرک بنا کر بٹھانے کی بجائے سنیوں کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ ہیوسٹن کی اہل سنت کی تقریباً تمام مساجد میں پروگرام سیٹ کروا دیے گئے تھے۔ جن میں دو پروگرام بڑے تھے، ایک بہت بڑے ہال میں رکھا گیا تھا، دوسرا النور مسجد میں تھا۔ باقی مساجد اور گھروں میں بھی پروگرام ہوئے، حضرت جہاں بھی تقریر کرتے ایک گھنٹہ سے کم تقریر نہ ہوتی۔ سارا مجمع شروع سے آخر خطاب تک گوش بر آواز رہتا۔

جہاں بھی پروگرام ہوا عوام الناس کا ہجوم ہوتا۔ پروگرام کے آگے پیچھے بھی لوگ ساتھ ساتھ رہتے، کچھ لوگ ذاتی طور پر خدمت کرنے کے خواہاں تھے، ان لوگوں کو بھی ہم نے موقع دیا، مگر حضرت کو کبھی لوگوں سے خدمت لینے کا شوق نہ ہوا۔ کچھ لوگ پاؤں دبانا چاہتے کبھی اجازت دیدیتے کبھی فرماتے: ''میں نے پاؤں سے کیا کیا؟'' پانچ چھ روز کے بعد میں حضرت کو علامہ غلام زرقانی صاحب کے گھر سے اپنے گھر لے آیا۔ یہاں آرام کے علاوہ اوقات میں لوگوں کو ملاقات کی پوری اجازت دیدی، چنانچہ ہر وقت لوگ حاضر باش رہتے۔ اس دورے میں اہلیان ہیوسٹن آپ کے علوم سے خوب فیضیاب ہوئے، کچھ لوگ بیعت بھی ہوئے۔ اس دورۂ امریکہ کا سب سے اہم حصہ آپ کا وہ انٹرویو ہے جو ہم نے بصیرت ریڈیو پر رکھوایا تھا۔ سوالات اس فقیر کے تھے اور حضرت آن ائیر فی البدیہہ جوابات دے رہے تھے، اس انٹرویو میں کم علم عوام، طلبہ اور علماء سب کے لیے سیکھنے کا بہت کچھ ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر ہم آئندہ اس کی تفصیلات پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ وباللہ التوفیق۔

فقیر فیضان المصطفیٰ قادری

قسط نمبر (۲۲)

ضیائے تفسیر

از: شہزادۂ صدر الشریعہ علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری علیہ الرحمہ

پیشکش:۔ مفتی شمیم رضا اویسی جامعہ امجدیہ رضویہ

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ
عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ
یَرْجِعُوْنَ o وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ط قُلْ اِنَّ الْهُدٰی
هُدَی اللّٰهِ لا اَنْ یُّؤْتٰٓی اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ
رَبِّكُمْ ط قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ج یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ
عَلِیْمٌ o یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِیْمِ o وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ یُّؤَدِّهٖٓ
اِلَیْكَ ج وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖٓ اِلَیْكَ اِلَّا مَا
دُمْتَ عَلَیْهِ قَآئِمًا ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ
سَبِیْلٌ ج وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ o بَلٰی مَنْ
اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ o اِنَّ الَّذِیْنَ
یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ
لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ
وَلَا یُزَكِّیْهِمْ ص وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ o وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیْقًا یَّلْوٗنَ
اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ
الْكِتٰبِ ج وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ج
وَیَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ o مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ
یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا
عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ
الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ o لا وَلَا یَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا
الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا ط اَیَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ
مُّسْلِمُوْنَ o ع وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ
كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ
لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ
اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ
الشّٰهِدِیْنَ o فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْفٰسِقُوْنَ o اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ o قُلْ
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ
وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی
وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ص لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ز وَنَحْنُ لَهٗ
مُسْلِمُوْنَ o وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ج وَهُوَ
فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ o كَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا
بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ط

وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ o اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ اَنَّ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃَ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ o خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَاھُمْ یُنْظَرُوْنَ o اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُھُمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الضَّآلُّوْنَ o اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِہٖ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ o

ترجمہ

اور کتابیوں کا ایک گروہ بولا وہ جو ایمان والوں پر اترا، صبح کو اس پر ایمان لاؤ اور شام کو منکر ہو جاؤ (۱) شاید وہ پھر جائیں اور یقین نہ لاؤ مگر اس کا جو تمہارے دین کا پیرو ہو تم فرمادو کہ اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے (۲) (یقین کاہے کا نہ لاؤ) اس کا کہ کسی کو ملے (۳) جیسے تمہیں ملا یا کوئی تم پر حجت لا سکے تمہارے رب کے پاس تم فرمادو کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے (۴) جسے چاہے دے (۵) اور اللہ وسعت والا علم والا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور کتابیوں میں کوئی وہ ہے کہ اگر تو اس کے پاس ایک ڈھیر امانت رکھے (۶) تو وہ تجھے ادا کردے اور ان میں کوئی وہ ہے کہ اگر ایک اشرفی اس کے پاس امانت رکھے تو وہ تجھے پھیر کر نہ دے گا مگر جب تک تو اس کے سر پر کھڑا رہے (۷) یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ اَن پڑھوں کے معاملہ میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں (۸) اور اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتے ہیں (۹) ہاں کیوں نہیں جس نے اپنا عہد پورا کیا (۱۰) اور پرہیزگاری کی اور بے شک پرہیزگار اللہ کو خوش آتے ہیں (۱۱) وہ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے ذلیل دام لیتے ہیں (۱۲) آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں (۱۳) اور اللہ نہ ان سے بات کرے (۱۴) اور نہ ان کی طرف نظر فرمائے قیامت کے دن (۱۵) اور نہ انھیں پاک کرے (۱۶) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (۱۷) اور ان میں کچھ وہ ہیں جو زبان پھیر کر کتاب میں میل کرتے ہیں کہ تم سمجھو یہ بھی کتاب میں ہے اور وہ کتاب میں نہیں (۱۸) اور وہ کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے اور وہ اللہ کے پاس سے نہیں اور اللہ پر دیدہ و دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں (۱۹) کسی آدمی کا یہ حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکم اور پیغمبری دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ (۲۰) ہاں یہ کہے گا کہ اللہ والے ہو جاؤ (۲۱) اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس سے کہ تم درس کرتے ہو (۲۲) اور نہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا ٹھہرالو (۲۳) کیا تمہیں کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہولیے (۲۴) اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا (۲۵) جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول (۲۶) کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے (۲۷) تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا (۲۸) سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ (۲۹) اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں (۳۰) تو جو کوئی اس کے بعد پھرے (۳۱) تو وہی لوگ فاسق ہیں (۳۲) تو کیا اللہ کے دین کے سوا اور دین چاہتے ہیں (۳۳) اور اسی کے حضور گردن رکھے

ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں (۳۴) خوشی سے اور مجبوری سے (۳۵) اور اسی طرف پھریں گے یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اترا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں پر اور جو کچھ ملا موسیٰ اور عیسیٰ اور انبیا کو ان کے رب سے (۳۶) ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے (۳۷) اور ہم اسی کے حضور گردن جھکائے ہیں (۳۸) اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا (۳۹) اور وہ آخرت میں زیاں کاروں سے ہے کیوں کر اللہ ایسی قوم کی ہدایت چاہے جو ایمان لاکر کافر ہو گئے (۴۰) اور گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچا ہے (۴۱) اور انھیں کھلی نشانیاں آ چکی تھیں (۴۲) اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا (۴۳) ان کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں کی (۴۳) سب کی ہمیشہ اس میں رہیں گے (۴۴) نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو (۴۵) اور نہ انھیں مہلت دی جائے مگر جنھوں نے اس کے بعد توبہ کی اور آپا سنبھالا تو ضرور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۴۶) بے شک وہ جو ایمان لاکر کافر ہوئے پھر اور کفر میں بڑھے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی اور وہی ہیں بہکے ہوئے (۴۷) وہ جو کافر ہوئے اور کافر ہی مرے ان میں کسی سے زمین بھر سونا ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اگرچہ اپنی خلاصی کو دے (۴۸) ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی یار نہیں۔

تفسیر

(۱) یہ یہودیوں کا ایک اور مکر و دھوکا ہے، جو اسلام کے راستے سے برگشتہ کرنے کے لیے انھوں نے اختیار کیا۔

شانِ نزول:۔ خیبر اور عرینہ کے ۱۲ ر یہودیوں نے یہ طے کیا کہ مدینہ جا کر صبح کو دین اسلام میں داخل ہوں اور شام کو کافر ہو کر مشہور کریں کہ ہم نے اس دین میں داخل ہونے کے بعد پتہ چلا لیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ نبی نہیں ہیں جن کا ہماری کتابوں میں ذکر ہے، اگر ایسا کیا جائے گا تو مسلمان اس دین سے شک و شبہ میں پڑ کر پھر جائیں گے۔ (خازن ۱/۲۴۷، طبری ۲۰۱)

یہ واقعہ ہوا یا نہ ہوا، اس کے متعلق بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ یہود نے ایسا کیا بھی تھا لیکن اس سے ان کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پہلے ہی سے اس کی خبر دے دی تھی، ورنہ ممکن تھا کہ بعض ضعیف الاعتقاد لوگ ڈگمگا جاتے۔ (خازن ۱/۲۴۷، روح المعانی ۲۰۰)

(۲) یعنی ہدایت تو وہ ہے جو اللہ کو پسند ہے اور اللہ تعالیٰ کو اسلام پسند ہے لہٰذا یہی ہدایت ہے، قل سے خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

(۳) یہ یہود کا قول ہے، اس مقام پر مفسرین کے چند اقوال ہیں: (۱) یہ یہود کا قول ہے اور مطلب وہ ہے جو فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے ترجمہ سے بالکل ظاہر ہے، پھر اس کے دو مطلب ہیں پہلا یہ کہ کسی دوسرے کو تمہارے جیسا دین نہیں مل سکتا اور نہ کوئی قیامت کے دن تم سے حجت کر سکے گا، دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ بات کسی پر سوائے اپنے لوگوں (یہود) کے ظاہر نہ کرو کہ کسی اور شخص کو مثل موسیٰ کے کتاب مل سکتی ہے یا میدانِ قیامت میں کوئی یہود پر حجت قائم کرے گا اور اپنے لوگوں کے اندر بات ظاہر کرنے میں حرج نہیں، پہلے ہی مطلب کو امام طبری وغیرہ اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے اور مجاہد کا قول بھی یہی ہے۔

قول دوم یہ ہے کہ ''ان یوتی'' کلام الٰہی ہے اور اس کا

مطلب یہ ہے کہ تم شرارتیں اس غصہ اور حسد کی وجہ سے کررہے ہو کہ اوروں کو وہ چیز مل گئی جو تمہیں پہلے ملی تھی، یا وہ لوگ تمہارے رب کے یہاں تم پر غالب آجائیں گے تو یہ وجود شرارت کفر کی نہیں، بلکہ یہ تو ایمان لانے کی وجہ ہے، یہ قتادہ اور ربیع کا قول ہے۔(تفصیل کے لیے روح المعانی ۲۰۰، طبری ۲۰۳، خازن ۲۴۸ وغیرہ کتب کا مطالعہ کریں)

واحدی مفسر نے فرمایا کہ یہ آیت مشکلاتِ قرآن سے ہے اور اس کی تفسیر بہت دشوار ہے۔(روح المعانی ۲۰۱)

(۴) یعنی حسد اور بغض سے کام نہ چلے گا کہ فضیلت اور برتری تمہارے ہاتھ نہیں اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اسے کوئی مجبور نہیں کرسکتا۔

(۵) نبوت اور اسلام جسے چاہے دے۔اس آیت میں یہود کی تکذیب ہے کہ کسی کو وہ فضیلت نہیں مل سکتی جو ہم کو ملی۔

مسئلہ:۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبوت جس کو ملتی ہے خدا کے دینے اور فضل سے ملتی ہے، اس میں کسی کے استحقاق کا دخل نہیں۔(خازن ۲۴۸)

(۶) یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی، ان کے پاس ایک قریشی نے ۱۲ رسواوقیہ سونا امانت رکھا آپ نے اس کو ویسا ہی ادا کردیا۔(خازن ۲۴۸)

چنانچہ یہی باامانت اور نیک کردار لوگ بعد میں دولت ایمان سے مالا مال ہوئے۔

(۷) یہ فخاص ابن عازر یہودی کا قصہ ہے کہ ایک شخص نے اسے ایک دینار دے دیا تو بعد میں اس نے انکار کردیا اور خیانت کی۔(خازن ۲۴۸)

یہ عام یہودیوں کا طریقہ تھا کہ غیر یہودی کی خیانت اور ان کے ساتھ بدعہدی کو اپنے لیے جائز تصور کرتے تھے، دینار سونے کے سکے کو کہتے ہیں یہ عرب میں عام رائج تھا، اس کو اردو میں اشرفی کہتے ہیں۔

"قائما" کا مطلب ہے کہ اگر امانت رکھنے والا برابر تاکید کرتا رہے اور آتا جاتا رہے تب وہ خیانت نہیں کرتے ورنہ خیانت کرلیتے ہیں۔(مدارک ۲۴۸، خازن)

(۸) ''امین'' سے مراد عرب ہیں، یونی یہودی کے ساتھ بدمعاملگی ناجائز ہے اور عربوں کے ساتھ جائز ہے۔ (خازن ۲۴۹)

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے دشمن جھوٹے ہیں، تمام جاہلیت کی باتیں میرے قدموں کے نیچے رکھی ہوتی ہیں (یعنی باطل ہیں) مگر امانت کہ نیکوکار اور بدکار سب کو دی جائے گی۔(روح المعانی ۲۰۳، طبری ۲۰۶)

(۹) یعنی اس غلط بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایسا لکھا ہے، حالاں کہ یہ جھوٹ ہے اور یہ دانستہ کذب بیانی کرتے ہیں۔

(۱۰) اس آیت سے وفائے عہد اور ادائے امانت کی بڑی تاکید نکلتی ہے اور بتایا جاتا ہے کہ خیانت اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا گناہ ہے اور عہد کی پابندی نہایت ضروری ہے۔(کبیر ۷۱۷)

(۱۱) اللہ سے ڈرے اور بدعہدی نہ کرے، تمام اوامر و نواہی کی پابندی کرے تو وہ اللہ کا محبوب بن جائے گا، وہ عقاب سے دور اور ثواب کا حق دار ہوگا۔(کبیر ۷۱۷)

بدعہدوں کی سزا:

(۱۲) **شان نزول**:۔ (۱) احبارِ رؤسا یہود (ابورافع)

کنانہ بن ابی الحقیق، کعب بن اشرف وغیرہ یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے تورات میں مذکور اللہ کے عہد کو چھوڑ دیا اور حضور کے اوصاف و کمالات کو بدل دیا اور اس کی وجہ سے اپنے عوام سے رشوتیں حاصل کیں اور منافع کمائے۔ (۲) حضرت عبداللہ ابن مسعود سے صحیحین میں مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جو کسی مسلمان کے مال پر ناحق قسم کھائے تو اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا تو وہ اس پر غضب ناک ہوگا پھر حضور نے یہ آیت تلاوت کی، اشعث بن قیس کندی نے کہا کہ ابو عبدالرحمن (ابن مسعود) سچے ہیں یہ آیت میرے بارے میں اتری، میرا ایک شخص سے کنویں کے بارے میں جھگڑا تھا، ہم نے مقدمہ حضور کے یہاں پیش کیا، حضور نے مجھ سے دو گواہ طلب فرمائے یا مدعیٰ علیہ سے قسم طلب کی، میں نے عرض کی کہ یہ شخص قسم کھالے گا اور اس کو کچھ پرواہ نہیں (کہ قسم جھوٹی ہے) اس پر حضور نے وہ حدیث فرمائی اور اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (۳) عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بازار میں ایک سودا پیش کیا اور اللہ کی جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان سے کہا کہ میں نے اتنے دام دیے ہیں حالاں کہ اتنے دام دیے نہ تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی لیے علما نے فرمایا ہے کہ یہ تمام صورتیں شانِ نزول کی ہیں۔

"ثمنا قلیلا" ساری دنیا اجر آخرت کے مقابلہ میں ثمن قلیل ہے۔ (طبری ۲۰۱، خازن ۲۴۱، روح المعانی ۲۰۴)

(۱۳) یعنی بھلائی اور نعمت کا ان کو کوئی حصہ نہ ملے گا۔

(۱۴) یعنی از راہِ مہربانی ولطف کلام نہ فرمائے گا، بلکہ غضب ومواخذہ وعقاب کا کلام فرمائے گا، یا کسی قسم کا کلام نہ فرمائے گا اور جو کلام بھی ہوگا فرشتوں کے توسط سے ہوگا۔ یہ آیت غضب الٰہی سے کنایہ ہے۔ (بیضاوی ۲۶، روح المعانی ۲۰۴)

(۱۵) یعنی نگاہِ لطف وکرم سے ان کی طرف نہ دیکھے گا بلکہ قہر وجلال سے دیکھے گا، یہ بھی غضب الٰہی سے کنایہ ہے۔ (مدارک، خازن ۲۵۰، بیضاوی ۲۶)

(۱۶) یعنی اللہ ان کو گناہوں کی گندگی سے پاک نہیں کرے گا یا ان کی ثنا و تعریف نہ کرے گا۔

(خازن ۲۵۰، روح المعانی ۲۰۴)

(۱۷) مسلم کی حدیث میں ابوذر سے مروی ہے کہ حضور نے تین مرتبہ یہی آیت تلاوت فرمائی، میں نے عرض کی: خائب وخاسر ہوئے یہ کون لوگ ہیں؟ اے اللہ کے رسول! فرمایا کہ (از راہِ تکبر) ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اور احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر سامان کو فروخت کرنے والا۔ حضرت ابی امامہ کی حدیث میں ہے کہ جو کسی مسلمان کا حق مارنے کے لیے قسم کھائے، اللہ اس پر جنت حرام اور جہنم واجب کر دیتا ہے، صحابہ نے عرض کی اگر چہ معمولی چیز ہو، فرمایا کہ اگر چہ پیلو کی شاخ ہی ہو۔ (خازن ۲۵۰)

یہود کا اللہ پر جھوٹ:

(۱۸) یعنی کتاب اللہ کو پڑھتے اس طرح سے ہیں کہ اصل معنی غلط ہو جاتے ہیں اور عکس مفہوم ادا ہو جاتا ہے، یا مقصد یہ ہے کہ کتاب اللہ میں تحریف و تغیر کر دیتے ہیں گویا کہ اپنی زبانوں کو درست سے موڑ دیتے ہیں یا اپنی گڑھی ہوئی باتوں کو اس انداز سے پڑھتے ہیں کہ کتاب اللہ معلوم ہوتی، حالاں کہ وہ ایسی نہیں۔ (خازن ۲۵۰، طبری ۲۱۰)

(۱۹) شانِ نزول:۔ یہ آیت یہود ونصاریٰ دونوں کے متعلق نازل ہوئی ہے، انھوں نے تورات وانجیل میں تحریف کی

اور کتاب اللہ میں اپنی طرف سے وہ ملا دیا جو اس میں نہیں۔

وہب بن منبہ کا قول یہ ہے کہ توارت وانجیل ویسی ہی ہیں جیسی اللہ تعالیٰ نے نازل کیں لیکن یہ لوگ اس کی تاویل غلط اور تحریف باطل کرتے ہیں اور یہ لوگ خود کتابیں لکھ کر خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں (جس طرح وہابیہ قادیانیہ اہل قرآن وغیرہا فرق باطلہ اپنی من گھڑت باتوں کو اللہ کا فرمان بتاتے ہیں) لیکن اگر ابن منبہ کا یہ قول موجودہ تورات وانجیل کے بارے میں ہے تو یہ غلط ہے، اس لیے کہ اس میں تبدیل وتحریف وکمی وبیشی ہے اور ان کا عربی ترجمہ اور زیادہ فاسد ہے، رہی اصل کتاب الٰہیہ تو وہ عند اللہ ہر قسم کی کمی وبیشی سے محفوظ ہیں۔ (ابن کثیر ۳۷۶۔ مزید بحث کے لیے روح المعانی ۲۰۶/ کبیر کا مطالعہ کریں)

انبیا سے دفع شرک:

(۲۰) حکم سے مراد قوتِ فیصلہ یا سنت وفقہ ہے یا فہم وعلم ہے۔ (مدارک ۲۵۰، خازن)

یعنی اللہ تعالیٰ جس کو علم وفہم وقوت فیصلہ اور منصب نبوت وارشاد خلق عطا فرمائے وہ لوگوں کو کبھی بھی اپنی پرستش کی طرف نہیں بلا سکتا کہ یہ فعل منصب نبوت وعہدۂ رسالت کے بالکل خلاف ہے۔

مسئلہ:۔ کسی تعلیم کے حق و باطل ہونے کا یہی معیار ہے، جس دین میں غیر اللہ کی عبادت دیوی دیوتاؤں کا تصور ہو وہ دین منزل من اللہ نہیں ہوسکتا اور جس دین میں توحید واخلاص کی دعوت ہو وہ دین اصل میں منزل من اللہ ضرور ہوگا، لیکن تمام ادیان اب منسوخ ہو چکے کہ اب اصل دین کامل ومکمل صورت میں اسلام موجود ہے۔

شان نزول:۔ یہود نے عزیر کو اللہ کا بیٹا قرار دیا اور نصاریٰ نے مسیح کو اللہ کا بیٹا قرار دیا، اس کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (کبیر ۷۲۲)

(۲۱) ربانی کا لفظ رب کی طرف منسوب ہے، یعنی رب کا جاننے والا اور اس کی اطاعت میں سرشار یعنی عالم باعمل یا ربانی کا معنی وہ عالم ومعلم جو لوگوں کی تعلیم میں اصلاح کو پیش نظر رکھے۔ (کبیر ۷۲۲)

حضرت ابن عباس سے اس کی تفسیر حکماً فقہا مروی ہے۔ (طبری ۲۱۲)

جب حضرت ابن عباس نے وفات پائی تو محمد بن حنفیہ نے فرمایا کہ آج اس امت کے ربانی کا انتقال ہوگیا۔ (خازن ۲۵۱، مدارک)

(۲۲) یعنی علم کا منشا انسان کا ربانی یعنی عالم باعمل ہونا ہے تو جو شخص علم وتعلیم میں کسی اور غرض کے لیے مشغول ہو اس کا علم ضائع وبے کار گیا۔ (خازن ۲۱۵)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ کی پناہ اس علم سے جو نفع نہ دے اور اس دل سے جو خدا سے نہ ڈرے۔ (کبیر ۷۲۵)

(۲۳) چوں کہ یہاں خطاب یہود ونصاریٰ اہل کتاب سے ہے اور یہ لوگ ملائکہ اور مسیح وعزیر کی عبادت کرتے تھے، اس لیے یہاں اسی کی نفی فرمائی گئی کہ انبیائے کرام کی یہ تعلیم نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ مفتریوں کا افترا واتہام ہے، اللہ کے نبی اس تعلیم سے بری ہیں۔ (کبیر ۷۲۱، خازن ۲۵۱)

اگر چہ عموماً یہی مشہور ہے کہ عیسائی مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں، مگر یہ حقیقت ہے، یہ لوگ فرشتوں کی بھی عبادت کرتے رہے ہیں۔ اسی لیے اس آیت میں فرشتوں کے نام کی تصریح کی گئی۔

(۲۴) اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیا و ملائکہ کی عبادت کفر ہے اور مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ یہ فعل ان کو بھی دائرۂ اسلام سے نکال دے گا، جملہ سوالیہ اظہار تعجب اور انکار کے لیے ہے، یعنی یہ قول و فعل نبی سے ممکن نہیں۔ (خازن ۲۵۱)

(۲۵) اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ عہد لیا تھا کہ اللہ کی کتاب اور اس کے پیغام کو بندوں کی طرف پہنچائیں گے اور ہر نبی دوسرے نبی کی تصدیق کرے گا اور یہ عہد بھی لیا تھا، تمہارے بعد جو بھی نبی آئے گا، اس پر ایمان لائیں گے اور اگر موجود رہے تو آنے والے کی مدد کریں گے اور اگر خود موجود نہ رہے تو اپنی امت کو آنے والے نبی کی مدد کا حکم دیں گے۔ حضرت موسیٰ سے حضرت عیسیٰ پر ایمان اور حضرت عیسیٰ سے حضرت خاتم النبین صلی اللہ علیہم اجمعین پر ایمان کا عہد لیا تھا، یہ قول سعید بن جریر حسن و طاؤس کا ہے۔ حضرت علی و ابن عباس و قتادہ و سدی کا قول یہ ہے کہ ہر نبی سے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی امداد و نصرت کا عہد لیا گیا۔ حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک۔ اس آیت کا یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم سے یہ عہد لیا تھا کہ جب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائیں تو ان پر ایمان لانا اور ان کی امداد کرنا ضروری ہے۔ بیشتر علما کا یہی قول ہے۔

(کبیر ۷۲۷، خازن ۲۵۱)

جو عہد نبی سے لیا جاتا ہے تو امت اس میں بدرجۂ اولیٰ شامل ہوتی ہیں۔ (بیضاوی ۲۷)

(۲۶) ''ثم'' لفظ ثم میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ رسول فترت اور طویل جہالت کے بعد آئے گا۔ رسول سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ ہی نبی مطلق، رسولِ حقیقی اور مشرع استقلالی ہیں اور باقی انبیا آپ کے تابع کے حکم میں ہیں۔ اس آیت سے آنجناب کی تعظیم و تفخیم و رفعت شان کا پتہ چلتا ہے۔ (روح المعانی ۲۱۰)

(۲۷) یعنی تورات و انجیل کی تصدیق کرنے والے۔

(مدارک ۲۵۲)

(۲۸) اس کے معنی عہد یا عہد ثقیل کے ہیں۔ (خازن ۲۵۲)

(۲۹) یعنی بعض بعض پر گواہ ہو جاؤ یا ہر شخص اپنے نفس پر گواہ ہو جائے یا اپنی امتوں پر گواہ بن جاؤ یا فرشتوں کو حکم ہے کہ تم گواہ بن جاؤ یا سب لوگ اس بات کو جان لو اس لیے کہ اصلی معنی شہادت کے علم و بیان کے ہیں۔ (خازن ۲۵۲، وغیرہ)

(۳۰) یعنی تمہارے اقرار اور ایک دوسرے پر گواہ ہونے پر میں بھی گواہ ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تم بھی جان لو اور میں بھی جاننے والا ہوں۔

(روح المعانی ۲۱۲)

(۳۱) اس عہد و پیمان و شہادت و اقرار کے بعد جو عالم ارواح میں لیا گیا یا تمہاری عقلوں میں ودیعت رکھا گیا۔

(مدارک ۲۵۲، وغیرہ)

(۳۲) نہایت سرکش کافر اور ایمان سے بالکل خارج ہیں۔ (خازن ۲۵۲، مدارک وغیرہ)

انبیا اس حکم میں داخل نہیں، اس لیے ان سے اس اقرار سے پھر جانا ممکن نہیں بلکہ مراد انبیا کی امتیں ہیں۔ (روح المعانی ۲۱۲)

(۳۳) یعنی دلائل کے ظہور اتم کے بعد اب صرف اللہ کی اطاعت اور اسی کی فرماں برادری ممکن ہے۔

(۳۴) آسمانوں میں ملائکہ اور حضرت عیسیٰ اور زمینوں میں انسان و جنات اور تمام مخلوقات۔

(۳۵) دلائل و براہان کا مطالعہ کرنے کے بعد شرح صدر ویقین قلب سے اسلام قبول کرنا طوعاً ہے، کسی خوف یا عذاب یا مشاہدہ عالم غیب کے بعد ایمان کرہاً ہے، لیکن یہ دوسرا مفید نہیں اور عذاب سے نجات کا ذریعہ صرف اول ہے۔ (خازن ۲۵۳)

رسول کی آمد اور اس کی دعوت:

پہلے یہ بات بتائی گئی ہے رسول آنے والا پہلے رسولوں کی تصدیق کرے گا، اب یہ بتایا جارہا ہے کہ وہ رسول تشریف لے آئے اور وہ رسول وہی ہیں جن سے یہ خطاب "قُلْ" فرمایا گیا اور جنھوں نے سارے انبیا اور ان کے صحائف کی تصدیق کی۔ (خازن ۲۵۳، وغیرہ)

"انزل علینا" سے قرآن مراد ہے۔ علی اور الیٰ دونوں "انزل" کا صلہ آتے ہیں، چوں کہ نزول اوپر سے ہوتا ہے اور بندوں تک ہوتا ہے، پہلے کے اعتبار سے عَلٰی اور دوسرے کے لحاظ سے اِلٰی کہا جاتا ہے اور "نا" سے مراد حضور اور آپ کی امت ہے، یہاں یہ حقیقت پھر دہرائی جارہی ہے کہ اسلام کوئی انوکھا اور جدید دین نہیں بلکہ وہی دین ابراہیم ہے جس کی تمام انبیا تبلیغ کرتے آرہے ہیں۔

(۳۶) جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے تفریق کی، بعض پر ایمان لائے اور بعض پر ایمان نہ لائے، یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں، بعض نبیوں کو بعض سے افضل ماننا تفریق نہیں۔ (روح المعانی ۲۱۰)

(۳۷) یعنی ہم اسے ایک مانتے ہیں اور اسی کے لیے اخلاص پیش کرتے ہیں اور اس کا شریک عبادت میں کسی کو نہیں کرتے۔ (مدارک ۲۵۳، خازن)

اسلام ہی پسندیدہ دین ہے:

(۳۸) یعنی پسندیدہ دین اللہ کے یہاں دین اسلام ہی ہے اور ہر دین اس کے علاوہ غیر پسندیدہ ہے، اس دین کے متبع کو ثواب دے گا اور اس سے گریز کرنے والے کو عقاب دے گا۔ (خازن)

(۳۹) اس آیت کے شانِ نزول میں دو قول مروی ہیں۔

(۱) انصار کے چند افراد پہلے ایمان لائے پھر مدینہ سے بھاگ کر قریش میں پناہ گزیں ہوئے، جیسے ابو عامر راہب، حارث بن سوید وغیرہما، اس کے بعد انھوں نے تحریر کیا کہ کیا ہمارے لیے توبہ کی گنجائش ہے؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ توبہ کرنے والوں کی توبہ مقبول ہے اور کفر پر جمنے والوں کے لیے عذابِ نار ہے۔ چنانچہ بعض جیسے حارث بن سوید اسلام لائے اور ابو عامر ایمان کی دولت سے محروم رہا۔ (طبری ۴ ۲۳۴)

(۲) آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی، جو حضور کی بعثت سے قبل آپ پر ایمان رکھتے تھے اور آپ کی تشریف آوری کا انتظار کرتے تھے، لیکن تشریف آوری کے بعد انکار کرنے لگے اور کافر ہو گئے۔ (طبری)

میرے نزدیک دونوں قومیں حقیقت میں ایک ہی ہیں، اس لیے کہ ابو عامر مذہباً یہودی تھا، اگرچہ نسلاً عربی تھا۔

(۴۰) یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول اور برحق پیغمبر ہیں۔ (خازن ۲۵۴)

(۴۱) اس سے مراد قرآن اور دیگر معجزات ہیں۔ (مدارک ۲۵۴)

(۴۲) یعنی جو لوگ کفر کو پسند کرتے رہیں گے وہ ہدایت کا راستہ کیسے پاسکتے ہیں، یا کافروں کو جنت کا راستہ نہیں مل سکتا۔

(۴۳) لعنت کے معنی رحمت سے دوری کے ہیں، پوری تحقیق رکوع ۱۹ر بقرۃ میں گزر چکی۔

(۴۴) "فیھا" سے مراد لعنت ہے یا عقوبت اور نار جہنم ہے، جو لعنت سے سمجھ میں آتی ہے۔ (بیضاوی ۳۰)

(۴۵) یعنی دخول جہنم کے بعد عذاب میں کمی نہ کی جائے گی کہ وہ باہر نکلیں یا ختم کر دیے جائیں، بلکہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے اور عذاب مستمر رہے گا اس میں وقفہ نہ ہوگا۔

(۴۶) جیسا کہ حضرت حارث بن سوید اپنے برادر جلاس کے کہنے سے پھر مدینہ واپس آئے اور اسلام قبول کیا، حضور نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ (خازن ۲۵۴)

"واصلحوا" یعنی محض توبہ کافی نہیں بلکہ عمل صالح بھی ضروری ہے (خازن)

اصلاح سے مراد یہ بھی ہے کہ جس چیز کو انھوں نے بگاڑا تھا اس کو درست کریں۔ (مدارک ۲۵۴، روح المعانی ۲۱۷)

"غفور" پردہ پوشی اس کی صفت ہے، وہ ان کے گناہوں کی ستر پوشی کرے گا۔ عطا ونوال، ثواب وجزا دے کر مہربانی فرمائے گا۔

(۴۷) اس آیت کے شانِ نزول میں چند اقوال ہیں:

(۱) یہود کے بارے میں نازل ہوئی تو اب تفسیر یہ ہوگی کہ "کفروا" یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کو نہ مانا بعد موسیٰ و تورات کے ایمان کے پھر کفر میں زیادتی کی، یعنی حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کو بھی نہ مانا ان کی توبہ قبول نہیں۔

(۲) یہود و نصاریٰ دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ دونوں نے حضرت نبی خاتم کا انکار کیا، حالاں کہ بعثت سے قبل آپ پر غائبانہ ایمان رکھتے تھے، بعد میں حسد اور عناد کی وجہ سے کفر میں زیادتی کرتے رہے۔

(۳) تمام کافروں کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ پہلے اللہ کی خالقیت کا تو اقرار کرتے تھے، لیکن معبودانِ باطل کی عبادت سے کافر ہوئے اور اس کفر پر باقی رہ کر اسے بڑھاتے رہے، یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور آپ پر تہمت تراش کر کفر میں زیادتی کی۔

(خازن ۲۵۴، وغیرہ)

"لن تقبل توبتھم" یعنی حالت کفر میں باقی رہتے ہوئے، یا موت کے مشاہدہ کے وقت ان کی توبہ قبول نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ کافروں نے جو ذنوب و معاصی سے توبہ کی ہے یہ تو مقبول نہیں، اس لیے کہ کافروں کی گناہوں سے توبہ بے کار ہے، کافر کے حسنات اور خیرات کا کوئی اعتبار نہیں۔

(طبری ۲۲۷، خازن ۲۵۴، روح المعانی ۲۱۸)

(۴۸) یعنی اگر بالفرض قیامت میں ان کے پاس سونا ہو تو بھی مقبول نہ ہوگا، ذہب سے مراد سنا سونا تو ظاہر ہے، لیکن چوں کہ یہ سب سے زیادہ قیمتی دھات مانی جاتی تھی، لہٰذا اس سے مراد عزیز سے عزیز اشیا بھی ہوسکتی ہے۔ آیت کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی حالت کفر میں رہتے ہوئے نیک کاموں میں روئے زمین کے برابر سونا خرچ کرے اور اس سے یہ تصور کرے کہ یہ قیامت میں نجات کا ذریعہ ہوگا تو یہ غلط ہے، اس لیے کہ کافر کی کوئی طاعت و عبادت مقبول نہیں۔ (کبیر ۱۴۷)

☆☆☆

قسط نمبر (۲۳)

ضیائے حدیث

(از: حضور محدث کبیر مدظلہ العالی)

پیشکش: مولانا محمد احمد برکاتی

اب وہ عبارت کہ ''اس کے دوست کے پاس سے ہرقل کے پاس خط آیا'' تو اس میں ہرقل کی رائے کے مطابق ان کی بھی رائے تھی کہ جو نبوت کا دعوی کر رہے ہیں وہ ساری دنیا پر غالب آجائیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا چکے اور وہ سچے نبی ہیں تو اس کو طمانیت ہوگئی۔ اب ہرقل نے عظمائے روم کو حکم دیا ایک ہال میں (''دسکرۃ'' یہ وہ ہال ہوتا ہے جس کے اردگرد کچھ گھر ہوتے ہیں ہال میں رہنے والوں کے لیے تو اسی کانفرنس ہال میں اس نے تمام نوابوں کو جمع کیا اور ارکان سلطنت کو) پھر اس نے حکم دیا کہ باہر نکلنے کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں تو سب دروازے مقفل کر دئے گیے اس لیے کہ ہرقل کو ابھی یہ اطمنان نہیں تھا کہ میرے ارکان سلطنت میری بات مان بھی لیں گے یا نہیں اگر مان لیں گے تو کوئی بات نہیں دروازہ بعد میں کھول دیا جائے گا اور اگر نہیں مانتے تو بھاگیں گے جب بھاگیں گے اور وہ بھاگ کر کے نکل گئے تو توجیہ کا کوئی موقع نہیں ملے گا، اس لیے جب یہ بھاگے اور سب دروازہ بند پایا تو اس نے کہا کہ ان لوگوں کو بلاؤ تو اس نے توجیہ پیش کی کہ میں صرف تم لوگوں کا امتحان لے رہا تھا۔

کہتے ہیں کہ تمام دروازے بند کر دیئے گئے پھر وہ ظاہر ہوا اور اس نے کہا اے معشر روم! کیا آپ لوگوں کو فلاح و رشد کی حاجت ہے اور یہ کہ تمہارا ملک ثابت اور مضبوط رہے تو اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ اس نبی پاک سے بیعت کر لو۔ اتنا سننا تھا ''حاصوا حيصة حمر الوحشي الى الابواب'' سب بدک بدک کر دروازے کی طرف بھاگے جیسے کہ گورخر بدک جاتا ہے تو تمام دروازوں کو بند پایا جب ہرقل نے دیکھ لیا کہ ایمان سے نفرت کر رہے ہیں اور ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا۔ اب دونوں بات تھی کہ ایمان پسند بھی تھا اور دوسرے یہ کہ ملک کی محبت اس سے زیادہ تھی تو اس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا ''ردوهم علي'' سب کو واپس بلاؤ میرے پاس اور بولا کہ میں نے جو اپنی بات کہی تھی ابھی کچھ پہلے، اس سے میں تمہارے دین پر تمہاری پختگی کا امتحان لے رہا تھا تو میں نے دیکھ لیا کہ تم اپنے دین پر بڑے پکے ہو۔ یہ سن لیا تو سارے نواب اس کا سجدہ کرنے لگے اور راضی ہو گئے۔ امام زہری فرماتے ہیں یہی آخری ہرقل کا حال ہے کہ ایمان سے وہ محروم رہا۔

''قال ابو عبد الله رواه صالح بن كيسان ويونس ومعمر عن الزهري'' امام بخاری فرماتے ہیں اس حدیث کو صالح بن کیسان نے، یونس نے، معمر نے امام زہری سے

روایت کیا۔ یعنی جس طرح سے شعیب نے روایت کی ہے، پوری کی پوری ویسے ہی صالح بن کیسان، یونس، معمر نے بھی اسی طریقہ پر امام زہری سے روایت کررہے ہیں۔

"بدأ الوحی" کا باب پورا ہوا، اس کے بعد سب سے پہلا جو حکم شرع میں ہے وہ ایمان کا ہے اس لیے کتاب الایمان کو مقدم رکھا اور اس کے بعد کتاب العلم کہ جب احکام کا علم ہوگا تبھی آدمی احکام پر عمل کرے گا تو علم وہی معتبر ہے جو ایمان کے بعد ہو، اس لیے علم کا درجہ بعد میں رکھا اور ارکان کو مقدم رکھا اور جن چیزوں پر لایا جاتا ہے ان چیزوں کا علم تو پہلے ہی سے ہونا چاہیے کیونکہ جب تک اللہ کی وحدانیت کا علم نہ ہوگا تو مانے گا کیسے اور رسول کی رسالت کا علم نہ ہوگا تو اس کو تسلیم کیسے کرے گا مگر وہ علم جو کتاب العلم میں ذکر کیا جائے وہ علم جو اللہ کی طرف سے احکام آئے ہیں ان کے علم۔

کتاب الایمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب (۲): قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس وھو قول وفعل ویزید وینقص قال اللہ تعالیٰ لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم وزدنھم ھدی ویزید اللہ الذین اھتدوا ھدی والذین اھتدوا زادھم ھذا واتھم تقوھم ویزداد الذین امنو ایمانا وقولہ عزوجل ایکم زادتہ ھذہ ایمانا فانا الذین امنوا فزادتھم ایمانا وقولہ فاخشوھم فزادھم ایمانا و قولہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما والحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان وکتب عمر بن عبد العزیز الی عدی بن عدی ان الایمان فرائض وشرائع وحدود وسننا فمن استکملھا استکمل الایمان ومن لم یستکملھا لم یستکمل الایمان فان اعش فسابینھا لکم حتی تعملوا بھا وان امت فما انا علی صحبتکم بحریص وقال ابرھیم علیہ السلام ولکن لیطمئن قلبی وقال معاذ اجلس بنا نؤمن ساعۃ وقال ابن مسعود الیقین الایمان کلہ وقال ابن عمر لا یبلغ العبد حقیقۃ التقوی حتی یدع ماحاک فی الصدر وقالا مجاھد شرع لکم من الدین ماوصی بہ نوحا واوصیناک یا محمد وایاہ دینا واحدا وقال ابن عباس رضی اللہ عنھما شرعۃ ومنھاجا سبیلا وسنۃ ودعائکم ایمانکم۔

ترجمہ:۔ فرمان رسول کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اور ایمان قول اور فعل کا نام ہے بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی۔ ارشاد خداوندی ہے تاکہ ایمان والوں کا ایمان بڑھ جائے اور ہم نے ان کے لیے ہدایت کو زیادہ کردیا اور اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت کو بڑھا دیتا ہے جو لوگ ہدایت یاب ہیں اللہ نے ان کی ہدایت بڑھا دی اور انہیں پرہیزگاری عطا کی اور ان لوگوں کا ایمان بڑھ جائے فرمان الٰہی ہے کہ تم میں سے کسی کے ایمان کو اس نے بڑھا دیا سو جو لوگ ایماندار ہیں ان کا ایمان اس نے بڑھا دیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے لوگوں نے مسلمانوں سے کہا کافروں سے ڈرو تو ان کا ایمان اور بڑھ گیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کا ایمان اور خوئے تسلیم بڑھتی ہی جاتی ہے اللہ کے لیے محبت اور اللہ ہی کے لیے نفرت بھی ایمان ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے عدی بن عدی کو لکھ بھیجا کہ ایمان کے کچھ فرائض ہیں کچھ عقائد کچھ حدود اور کچھ سنن ہیں جو کوئی انھیں پوری طرح ادا نہ کرے گا تو اپنا ایمان ادھورا چھوڑے گا اگر زندگی باقی ہے تو میں تمہیں یہ سب باتیں لکھ بھیجوں گا تاکہ تم ان پر عمل درآمد کرو اگر موت نے آلیا تو مجھے یہاں تمہارے

ہاں رہنے کی چنداں خواہش نہیں ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا ''تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے'' معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک بار اسود رضی اللہ عنہ سے کہا تھا ''ہمارے پاس بیٹھو کہ لمحے بھر کو سچے مؤمن ہو جائیں ابن مسعود نے فرمایا یقین کلیہ ایمان ہے'' عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں ''تقویٰ کی کنہ تک پہنچنا بہت مشکل ہے جب تک مشکوک چیزوں کو اس خیال سے نہ چھوڑ دیا جائے کہ شاید یہ ممنوع ہوں'' مجاہد نے ''**شرع لکم من الدین ما وصی به نوحا**'' کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم نے تمہیں اور نوح کو ایک تعلیم دی ہے ابن عباس کا کہنا ہے کہ شرعۃ اور منہاج کے منعی راہ اور طریقہ کے ہیں اور تمہارا ادعا کرنا تمہارا ایمان ہے۔''

تشریح:۔ کتاب الایمان میں چند چیزوں کا جاننا ضروری ہے ایک لفظی تشریح۔ ایمان امن سے مشتق ہے تو اس کا معنی امن دینا ہوا مگر لغت میں تصدیق کے معنی میں، کسی چیز کے جان لینے کے معنی میں بھی استعمال بالکل جاری ہے وضع ہے۔ تصدیق کرنے کا مطلب جان لینا، یہ ماننا ایک عمل ہے البتہ اس میں حکما کا اختلاف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تصدیق علم کی قسم ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں ''نہیں'' تصدیق علم نہیں ہے علم صرف تصورات کا نام ہے اور تصدیق مقولہ فعل سے ہے اس کا معنی ماننا، اس لیے یہ مقولہ فعل سے ہے، اسی بنا پر امام رازی وغیرہ اس بات پر ہیں کہ تصدیق علم کی قسم نہیں ہے بلکہ علم تصورات کو کہتے ہیں اور تصدیق کسی چیز کو مان لینا، یہ اختیار عبد سے ایک فعل ہوا اس لیے یہ مقولہ فعل سے ہے اور نہ مقولۂ کیف سے ہے نہ مقولہ انفعال سے۔

اب حکما میں بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ مقولہ کیف سے ہے، کچھ کہتے ہیں مقولہ انفعال سے ہے، اس لیے مقبول النفس ایک قضیہ کا علم ہوا اور نفس نے قبول کر لیا تو علم ہوا اور وہی علم قبول ہے، مثلاً دیوار پر نظر پڑی ''**الجدار بیض**'' علم ہو گیا یہ مقولہ کیف ہوا۔ اور اس اعتبار سے کہ دل نے اس کو قبول کیا تو مقولہ انفعال سے ہوا، مگر جو بھی ہوا اسلام میں ایمان اسی کو کہیں گے کہ کسی چیز کے علم کے بعد اس کو ماننا بھی پایا جائے اور اس کے ساتھ اجرائے احکام دنیاوی کے لیے یہ لازم ہے کہ آدمی اس کا اقرار بھی کرے مگر محدثین اور معتزلہ خوارج یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایمان کے اندر تین چیز داخل ہے، ایک تصدیق دوسرے اقرار اور تیسرے اعمال صالحہ اور اجتناب عن المعاصی، جب تک یہ تین چیزیں نہ پالی جائیں ایمان نہ ہوگا مگر محدثین پھر بھی معتزلہ اور خوارج سے الگ ہو جاتے ہیں اس معاملہ میں کہ اگر کوئی آدمی فاسق ہے عمل سے بے گانہ ہے تو اس کی تکفیر نہیں کرتے مومن مانتے ہیں، اس اعتبار سے متکلمین اور محدثین کے درمیان اختلاف صرف لفظی ہوا کہ جو آدمی اپنی تصدیق کے مطابق اقرار کرتا ہے تو اس کو متکلمین بھی مومن کہتے ہیں اور محدثین بھی، فرق صرف یہ ہے کہ آپ نے جزء کمال مانا تو ہم بھی تو جزء کمال مانتے ہیں، مومن کی دو قسمیں کر دیتے ہیں مومن محض اور مومن کامل۔

ایمان کا استعمال دونوں طریقہ پر ہوتا ہے ''**امنت باللہ**'' باء کے ساتھ اور لام کے ساتھ ''**لن یومن لک، وما انت بمؤمن لنا ولو کنا صدقین**'' متکلمین فرماتے ہیں کہ اصل ایمان تصدیق ہے۔ ''**مابین العبد و بین اللہ**'' دل سے وہ مان رہا ہے اب اس کے پاس کوئی ہے تو اجرائے احکام کے لیے اس کو اپنا ایمان ظاہر کرنا ضروری ہے جیسے مسلمانوں میں نکاح، مر جائے تو اس کی نماز جنازہ اور قبرستان مومنین میں اس کو دفن کرنا وغیرہ یہ سب اجرائے احکام اور مومنین کے دوسرے احکام اس پر نافذ کرنا مگر حقیقت یہی ہے جو امام ابن ہمام نے فرمائی کہ اس پر تمام فقہاء اور متکلمین اور محدثین و مفسرین متفق ہیں کہ کوئی ایمان بغیر تصدیق اور اقرار کے معتبر نہیں نہ بندوں کے یہاں نہ اللہ کے یہاں اور کوئی اقرار اس وقت تک

معتبر نہیں جب تک کہ تصدیق کے مطابق نہ ہو اور کوئی تصدیق اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ وہ اپنے اقرار کے مطابق نہ ہو، مطلب یہ ہوا کہ ایمان اور اسلام دو چیزیں وہ کر رہے ہیں، ایمان اور اسلام میں فرق اتنا ہے کہ اقرار مطابق للتصدیق یہ اسلام ہوا اور تصدیق مطابق للاقرار یہ ایمان ہوا تو تصدیق ایمان ہے مگر اقرار شرط ہے اور اقرار اسلام ہے مگر تصدیق شرط ہے۔

اب امام بخاری محدثین کے طرز پر اس میں قول وفعل دونوں کو داخل کرتے ہیں اس بنا پر اب ایک دوسرا اختلاف پیدا ہوا کہ ایمان کم اور زائد ہوتا ہے یا نہیں؟ کم وزائد تب ہوگا جب فعل داخل کریں گے اور اگر فعل داخل نہ ہوگا تو وہ قوی اور ضعیف ہوگا مثلاً ایک آدمی کا ایمان اتنا قوی ہے کہ چھری رکھ دی گئی مگر ایمان ہی ایمان بولتا جارہا ہے اور یقین ہے کہ اب میں ذبح ہو جاؤں گا مگر ڈٹا ہوا ہے کہ مار ڈالو مگر میں بدلوں گا نہیں، لیکن دوسرا وہ ہوتا ہے کہ جان بچانے کے لیے کہہ دیا مگر دل میں ایمان مکمل ہے۔ اس وجہ سے امام فخر الاسلام کہتے ہیں کہ اقرار جزء ایمان ہے مگر یہ رکن زائد ہے کہ اکراہ میں یا گونگے پن میں یہ ساقط ہو سکتا ہے لہٰذا جزء ایمان تو ہے مگر جزء زائد ہے، اسی طریقہ پر شاہق جبل کہ پہاڑ پر اکیلا ہی ہے اور اس نے تصدیق کر لی اب تصدیق کرنے کے بعد کس سے اقرار کرے، اقرار نہ کیا تو بھی اس کو مسلمان کہیں گے کہ اس کے لیے عذر رہے۔

اب امام بخاری آٹھ آیتوں سے اس پر ایمان کے زائد اور کم ہونے کو بیان کرتے ہیں مگر ان تمام جگہوں پر ہمارے نزدیک زیادت اور نقصان اپنے لغوی معنی میں نہیں ہے بلکہ زیادت کا ایک عرفی معنی بھی ہوتا ہے یعنی ''قوت'' اور نقصان کا معنی گھٹنا نہیں بلکہ ضعف، ہوتا ہے اور یہ بیان امام بخاری اپنی کتاب میں کئی جگہ ذکر کریں گے اور ایک جگہ یہ بھی بیان کریں گے کہ معاصی کی وجہ سے آدمی کو کافر نہیں کہا جائے گا بلکہ مومن ہی مانیں گے۔ □

پڑھنے والے تو غش کھا کے گرا کرتے ہیں

القاب کی کیا کوئی اہمیت نہیں رہی؟

ماضی قریب میں القاب کا اتنا چلن نظر نہیں آتا لیکن اب جسے دیکھو، علامۃ الدھر، خطیب مشرق، غزالی دوراں، اور معلوم نہیں کیا کیا القاب ہیں!

اپنے زمانے میں ہند کے اندر مفتی اعظم کا لقب صرف اور صرف شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور سیدی مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ علیہ کا تھا، آپ کے بعد مفتی اعظم راجستھان مفتی اشفاق حسین نعیمی علیہ الرحمہ کا لقب ہوا، اس کے بعد فقیر کے علم میں نہیں کسی کو یہ لقب دیا گیا ہو لیکن جسے دیکھو مفتی اعظم نظر آتا ہے، کوئی **مفتی اعظم جے پور** ہے تو کوئی **مفتی اعظم اندور** ہے؛ تو پہلے **مفتی اعظم ہند** میں ملک کا نام تھا پھر **مفتی اعظم راجستھان** میں ریاست کا نام آیا۔

یہاں تک تو ٹھیک ہے، لیکن اب ترقی ہوئی کہ ریاست سے ضلع کے مفتی اعظم بن گئے، پھر تحصیل کے مفتی اعظم بننے لگے، پھر تھانہ کے مفتی اعظم کا نمبر آیا، اب اور ترقی ہوگی تو گاؤں کے مفتی اعظم بننے لگیں گے پھر زمانہ اور ترقی کرے گا تو محلہ کے بننے لگیں گے. اور ایسا صرف مفتی اعظم کے لقب میں نہیں ہے، خطیب اعظم، نقیب اعظم وغیرہ وغیرہ سب کا یہی حال ہے۔

ہمارے ذمہ دار علمائے کرام اس پر توجہ فرمائیں ورنہ پھر وارڈ کے مفتی اعظم وغیرہ پھر گلی کے مفتی اعظم وغیرہ بننے لگیں گے پھر اللہ ہی خیر فرمائے کہ کیا ہوگا؟

کس سے پوچھیں کہ تمہارے لقب میں کیا عالم ہے
پڑھنے والے تو غش کھا کے گرا کرتے ہیں

طارق محمود رضوی

ضیائے فقہ وفتاویٰ

دارالافتاء جامعہ امجدیہ رضویہ

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید گورمنٹیڈ مدرسہ کا ناظم ہے اور وہاں کے جو سرکاری ملازمین ہیں، ان کی جو تنخواہ آتی ہے، ناظم ان کی تنخواہ سے کمیشن اصول کرتا ہے اور جو رقم جمع ہوتی ہے اس میں سے پرائیویٹ ملازمین کو تنخواہ دیتا ہے اور یہ کام علی الاعلان کرتا ہے اور پرائیویٹ ملازمین اس کام سے بخوبی واقف بھی ہیں۔ دریافت امر یہ ہے کہ ناظم کو ایسا کرنا کیسا ہے؟ اور پرائیویٹ ملازمین کو تنخواہ لینا کیسا ہے؟ اور ملازمین کو وہاں پر تدریس کا کام انجام دینا کیسا ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں بحوالہ جواب عنایت رفمائیں، عین نوازش وکرم ہوگا۔

سائل: محمد مناف رضوی کوشامبی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب:

حضرت اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یحل بمسلم ان یاخذ عصا اخیہ بغیر طیب نفس منہ کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ اپنے مسلم بھائی کی لاٹھی اس کی رضامندی کے بغیر لے لے۔

اور فرمایا:

الا لا تظلموا الا لا یحل مال امر الا بطیب نفس منہ رواہ حنیفہ عم ابی حرۃ الرقاشی

کہ سنو! ظلم نہ کرو۔ سنو! کسی مسلمان کا مال اس کی رضا مندی کے بغیر حلال نہیں ہوتا۔

اور فقہ کی مشہور کتاب درمختار میں ہے:

لا یزود لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی۔ (ج ٦، کتاب الحدود والتعذیر، ص ١٠٦)

کسی بھی مسلمان کے لیے دوسرے کا مال بے سبب شرعی لے لینا جائز نہیں۔

معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کا مال دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

لہٰذا ناظم مذکور جو ایڈیڈ مدرسین سے زور اور دباؤ بنا کر رقم لیتا ہے، وہ حرام محض ہے کہ کوئی مدرس بطیب خاطر ماہ بماہ نہیں دینے والا تو ناظم اپنے ظلم کا سلسلہ بند کرے۔ اب تک جتنی رقم لے چکا ہے، اسے واپس کرے، یا مدرسین سے معاف کرائے ورنہ اس کا بائیکاٹ کیا جائے کہ وہ ظالم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین۔

یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔

واللہ اعلم

کتبہ محمد ابوالحسن قادری غفرلہ

دارالافتاء طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو

۸؍رجب المرجب ۱۴۴۴ھ

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کہ ہمارے علاقے میں جب لڑکی کی نسبت طے ہوجاتی ہے تو اس کو پختہ کرنے کے لیے منگنی کی جاتی ہے۔

یعنی لڑکے کے گھر سے کچھ خواتین لڑکی کے گھر آتی ہیں اور کچھ تحفے تحائف لڑکی کو دیتی ہیں، پھر شادی ہوجانے کے بعد شب زفاف میں شوہر اپنی منکوحہ بیوی کو منہ دکھائی کے نام پر سونے، چاندی کا کوئی زیور اس کو ہبہ کرتا ہے۔ اسی طرح گھر کی ساس وغیرہ اس نئی دلہن کو زیور وغیرہ کی شکل میں کچھ ہدیۃ دیتی ہیں۔ کبھی نا اتفاقی یا معاملہ کے انتہائی خراب ہونے کی صورت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد شوہر کے خاندان کے لوگ اسی طرح عورت کے خاندان کے لوگ دولہا اور دلہن کو دیے ہوئے سامان کو واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر شادی نہ ٹوٹتی اور موت واقع ہوجاتی تو ایک دوسرے خاندان کے لوگ ان چیزوں کا مطالبہ نہیں کرتے۔

دریافت طلب امور یہ ہے کہ کیا لڑکی کو منگنی یا منہ دکھائی میں دیے گئے سامانوں کا شوہر یا اس کے خاندان کے لوگ واپسی کا مطلبہ کرسکتے ہیں؟

اسی طرح شوہر کو لڑکی اور اس کے خاندان کی طرف سے دیے گئے سامان کو بیوی یا اس کے گھر کے لوگ واپسی کا مطالبہ کرسکتے ہیں؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بینوا توجروا

المستفتی: قیام الدین محلہ مداپور شمس پور چھاؤنی گھوسی مئو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب:

منگنی کے وقت لڑکی کو جو تحفے دیے جاتے ہیں یا شب زفاف میں شوہر کی طرف سے بیوی کو اور ساس کی طرف سے بہو کو منہ دکھائی کے نام سے جو روپے، سامان اور زیور دیے جاتے ہیں، وہ دولہن کے قبضے میں آنے کے بعد دولہن کی ملک میں ہوجاتے ہیں کہ ان کے بارے عرف یہی ہے کہ بطور تملیک دیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو تحفہ اور ہدیہ یا منہ دکھائی کا نام دیا جاتا ہے اور رشتہ برقرار رکھنے کی صورت میں کبھی واپس کرنے کا مطالبہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا منہ دکھائی اور تحفے میں دیے گئے زیور، سامان وغیرہ واپس لینا ممنوع ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وان اردتم استبدال زوج مکان زوج وأتیتم احداھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا فلا تاخذونہ بھتانا واثما مبینا وکیف تاخذونہ وقد افضی بعضکم الی بعض واخذن منکم میثاقا غلیظاo (سورہ نساء آیت ۲۰)

اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بدلنا چاہو اور اسے ڈیروں مال دے چکے ہو تو ان میں سے کچھ واپس نہ لو تو کیا اسے واپس لوگے جھوٹ باندھ کر، اور کھلے گناہ سے؟ اور کیوں اسے واپس لوگے؟ حالاں کہ تم میں ایک، دوسرے کے سامنے بے پردہ ہوگیا اور وہ تم سے گاڑھا عہد لے چکیں۔ نیز تحفہ دے کر

واپس لینا سخت معیوب و گناہ ہے۔ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العائد فی هبة کالعائد فی قیسۂ رواہ الائمة احمد والستة فی السنن عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما۔

کہ کسی کو ہبہ کر کے واپس لینا ایسے ہی ہے جیسے کتا اپنی قے واپس کر لیتا ہے۔ اور درمختار میں ہے:

(کرہ) الرجوع (تحریما) وقیل تنزیها نهایة کذا فی الجزء الخامس من الفتاوی الرضویة۔

اسی طرح لڑکی کے گھر والے لڑکے (دولہا) کو جو تحائف دیتے ہیں، لڑکا ان کا مالک ہوجاتا ہے، ان کو واپس طلب کرنا ممنوع۔

واللہ اعلم

کتبہ: محمد ابوالحسن قادری غفرلہ

خادم الافتائ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو

۸ر صفر ۱۴۴۴ھ ۵ر ستمبر ۲۰۲۲ء

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درج ذیل مسئلہ میں:

زید جو کہ قیام ورکوع پر قادر ہے لیکن صرف سجدہ کرنے سے معذور ہے، وہ کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز ادا کرتا ہے تو کیا صرف سجدہ سے معذور ہونا قیام ورکوع کو ساقط کر دیتا ہے؟ اس طھور پر نماز ادا کرنے سے زید کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

اس مسئلہ میں بکر کہتا ہے کہ زید سے قیام ورکوع کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے، اس لیے کہ قیام ورکوع یہ سجدہ کے لیے وسیلہ ہے اور اصل سے معذور ہونا وسیلہ کو ساقط کر دیتا ہے۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ بکر کا اس طرح کہنا کیسا ہے؟ اور حکم شرع کیا ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: قاری ثناء المصطفیٰ قادری

خطیب وامام زینت المساجد راورکیلا اڑیسہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب:

اگر زید سجدہ سے شرعاً معذور ہے تو اس سے قیام ورکوع ساقط ہے۔ درمختار میں ہے:

تعذر سجودا او ما قاعدا هو افضل من الایماء قائما۔ (۲/۵۶۷)

بہار شریعت میں ہے:

کھڑا ہوسکتا ہے مگر رکوع سجود نہیں کرسکتا، یا صرف سجدہ نہیں کرسکتا تو بیٹھ کر اشارہ سے پڑھ سکتا ہے۔ (۴/۵۴)

لہٰذا زید کی نماز بے قیام ورکوع صحیح ہوگی اور بکر کا کہنا کہ قیام ورکوع سجدہ کے لیے وسیلہ ہے، درست ہے۔ ردالمحتار میں اس کی صراحت موجود ہے۔ علامہ شامی ذخیرہ سے نقل کرتے ہیں:

ان القیام والرکوع لم یشرع تربة بنفسها بل لیکونا وسیلتین الی السجود۔ (۲/۵۶۷)

اس لیے بہتر ہے کہ زید بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے اور یہ بھی جائز ہے وہ قیام اور رکوع کے ساتھ نماز پڑھے، پھر بیٹھ جائے اور سجدہ اشارہ سے کرے۔ ردالمحتار میں ہے:

ان سجد سال وهو قادر علی الرکوع والقیام والقراءة یصلی قاعدا یومئی۔ ولو صلی قائما برکوع وقعد واما بالسجود اجزاء هو الاول افضل۔ (۲/۵۶۷)

بہار شریعت میں ہے:

سجدہ نہیں کرسکتا تو بیٹھ کر اشارہ سے پڑھ سکتا ہے بلکہ یہی بہتر ہے۔ اور اس صورت میں یہ بھی کرسکتا ہے کہ کھڑے ہوکر پڑھے اور رکوع کے لیے اشارہ کرے یا رکوع پر قادر ہو تو رکوع کرے پھر بیٹھ کر سجدہ کے لیے اشارہ کرے۔ (۵۴/۴)

واضح رہے کہ جب تک زید زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہو تب تک کرسی پر بیٹھ کر نماز نہ پڑھے بلکہ زمین پر ہی بیٹھ کر نماز پڑھے تاکہ شبہ تفاخر سے محفوظ رہے۔ شرعی کونسل بریلی شریف کے فیصلہ جات میں ہے:

قیام و رکوع و سجود پر قادر نہ ہو مگر زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہو تو کرسی پر بیٹھ کر نماز ہوجائے گی، مگر ایسا ہرگز نہ کرے تاکہ شبہ تفاخر سے محفوظ رہے، بلکہ زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھے اور اس صورت میں رکوع و سجود سر کے اشارہ سے کرے۔ (۲۶۱)

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: حسان المصطفیٰ قادری غفرلہ

خادم طیبۃ العلما جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو

۵ر محرم الحرام ۱۴۴۵ھ

الجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر ضیاء المصطفیٰ قادری غفرلہ

۱۱ر محرم الحرام ۱۴۴۵ھ

مسئلہ:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ شاہی مسجدیں جن میں جماعت خانہ دو چار صفوں پر مشتمل ہوتا ہے، لیکن شاہی عمارتوں میں ستون ہی پر چوں کہ چھت وغیرہ ڈالی جاتی تھی اس لیے صفوں کے درمیان کافی ضخیم ستون بنے ہوتے ہیں، حجم کے لحاظ سے وہ ستون اتنے ضخیم ہوتے ہیں کہ ان ستونوں کے مابین کبھی صف آرائی کی جاسکتی ہے، تو مسجد چوں کہ چھوٹی ہوتی ہیں اور نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے اگر ان ستونوں کے مابین صف آرائی کی جائے تو آیا اس سے نماز یا جماعت میں کوئی خلل واقع ہوگا؟

عند الشرع اس کی کیا حیثیت ہے؟ اسے واضح فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

فقط قاری رحیم الدین صندلی

چشتی وٹوا احمدآباد گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب:

بلا ضرورت شرعیہ ستونوں کے درمیان صف بندی کرنا مکروہ تحریمی ہے کہ یہ بات قطع صف ہے اور قطع صف ناجائز ہے۔ جیسا کہ عمدۃ القاری میں ہے:

وقال ابن مسعود لا تصفوا بین الاساطین واتموا الصفوف۔

اسی میں ہے:

فکرھه انس بن مالک لورود النهی بذالک رواہ الحاکم وصححه۔ (جلد رابع باب الصلوۃ بین السواری فی غیر جماعۃ صفحہ ۴/۸۱۴ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہاں اگر کثرت جماعت کے باعث جگہ میں تنگی ہو تو نوں کے درمیان صف لگانے میں کوئی کراہت نہیں۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں بحوالہ فتح الباری مذکور ہے:

محل الکراهة عند عدم الضیق۔ (جلد ثالث ص ۴۳)

عمدۃ القاری میں ہے:

قال مالک فی (المدونة) لا بأس بالصلوۃ بینهما

لضيق المسجد وقال ابن حبيب: ليس النهي عن تقطيع الصفوف اذا ضاق المسجد وانما نهى عنه اذا كان المسجد واسعا۔ (جلد رابع باب الصلوة بين السواری فی غير جماعة ص ۴۱۸، دار الكتب العلمية بيروت)

درمختار میں ہے:

هذا كله عند عدم العذر كجمعة وعيد فلو قاموا على الرفوف والامام على الارض او فی المحراب لضيق المكان لم يكره۔ (ج ۲/ص ۴۱۵، زکریا)

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فتاویٰ رضویہ میں تحریر فرماتے ہیں:

بے ضرورت مقتدیوں کا در میں صف قائم کرنا یہ سخت مکروہ کہ باعث قطع صف ہے اور قطع صف ناجائز۔ ہاں اگر کثرت جماعت کے باعث جگہ میں تنگی ہو اس لیے مقتدی در میں اور امام محراب میں کھڑے ہوں تو کراہت نہیں۔ یوہیں اگر مینہ کے باعث پچھلی صف کے لوگ دروں میں کھڑے ہوں تو یہ ضرورت ہے۔ والضرورات تبيح المحظورات۔ رہا اکیلا اس کے لیے ضرورت بے ضرورت محراب میں در میں مسجد کے کسی حصہ میں کھڑا ہونا اصلاً کراہت نہیں رکھتا۔ (جلد سوم ص ۴۲)

لہٰذا اگر کسی مسجد میں کثرت جماعت کی وجہ سے جگہ میں تنگی ہوتی ہو تو دروں میں صف بندی کرنا جائز و درست ہوگا اور نماز بے کراہت صحیح ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

استکتبہ: محمد ابوالحسن قادری غفرلہ

طیبۃ العلما جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو

۷/جون ۲۰۲۳ء ۱۷/ذی قعدہ ۱۴۴۴ھ

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ دو لوگوں نے مل کر کاروبار شروع کیا اس طرح کہ ایک آدمی پورا مال لگائے گا اور کبھی کبھی کچھ کام بھی کردے گا، اور دوسرا آدمی صرف صرف کام کرے گا کچھ مال نہ لگائے گا اور نفع ونقصان دونوں کا برابر ہوگا تو کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: محمد عبداللہ بھدوہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب:

مسئولہ صورت میں رب المال یعنی مال لگانے والے کے لیے اگر شرط ٹھہری کہ وہ بھی کام کرے گا تو عقد فاسد ہے۔

ہدایہ میں ہے:

وشرط العمل على رب المال مفسد للعقد لانه لا يمنع خلوص يد المضارب فلا يتمكن من التصرف فلا يتحقق المقصود سواء كان المالك عاقدا او عاقد۔ (ج ۲/ص: ۲۴۳)

اور بہار شریعت میں ہے:

رب المال نے مضارب کو مال دیا اور شرط یہ کی کہ مضارب کے ساتھ میں بھی کام کروں گا اس سے مضاربت فاسد ہوگئی۔ (حصہ ۱۴/ص ۵)

لہٰذا اس طرح معاملہ کرنا جائز نہیں کہ مال لگانے والا بھی کام کرے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد ابوالحسن قادری غفرلہ

خادم الافتاء طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے اندر کہ سعودی کے کچھ وہابیوں نے اپنے

وہابی ایجنٹ کے پاس روپیہ بھیجا کہ تم اس روپئے سے مسلمانوں کے یہاں نل لگوادو۔ اس روپے سے کچھ سنی مسلمانوں نے اپنے یہاں سات سو روپیہ مزدوری دے کر خیر خواہی میں نل لگوا لیا۔ کیا اس طرح وہابیوں کے دیے ہوئے روپے سے نل لگوا لے تو یہ جائز ہے؟ اور جب کچھ سنی علما نے ان سنیوں کو نل لگوانے سے منع کیا تو کچھ سنی یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارا ایمان تھوڑی چلا جائے گا، اور جن سنیوں نے اپنے یہاں نل لگوا لیا ان کے لیے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی عالم کہلانے والا ان وہابیوں کے روپیہ سے نل لگوائے تو اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب:

وہابیہ غیر مقلدین بارگاہ خدا ورسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخ ہیں، ان کی مستند ومعتبر کتاب تقویۃ الایمان وکتاب التوحید ہے، جو گستاخی، ہرزہ سرائی، ہذیانات وبکواس کا مجموعہ ہیں۔ لاریب وہابی لوگ مسلک اعلیٰ حضرت کے پیروکاروں کو کھلے دشمن، متعصب، معاند ہیں۔ ان کو مباح الدم اور مشرک گردانتے ہیں۔ پھر انھیں نل لگوانے کے لیے رقمیں کیوں دے رہے ہیں، اس میں کچھ نہ کچھ ضرور راز ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس ذریعہ سے ان کا سچے پکے سنی مسلمانوں کو وہابی بنانے کا منصوبہ ہو، یا کم از کم ان سے قریب ہوکر انھیں بدمذہب اور صلح کلی بنانے کی سازش ہو۔ ان دشمنان خدا و رسول سے نرمی اختیار کرنا ان کے ساتھ سلام وکلام، میل جول بہت بڑی محرومی اور نحوست کا سبب ہوسکتا ہے۔ اس لیے ان سے نل لگوانے کے نام پر یا کسی اور نام پر کسی طرح کی کوئی مدد نہ لی جائے۔ حدیث پاک میں بدمذہب کافر ومشرک کی مدد لینے سے ممانعت آئی۔ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا لا نستعین نشرک۔

اور فرماتے ہیں:

نھیت عن زبد المشرکین۔

بلکہ بدمذہب کو دیکھ کر راستہ بدل لینے اور اس سے ترش روئی اپنانے کا حکم ہے۔ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

واذا رأیتم صاحب بدعۃ فاکفھروا وجوھکم۔

اور اللہ تعالیٰ ان سے بیزاری اور دوری بنانے کا حکم فرماتا ہے:

فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین۔

کہ یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھ۔

اور فرماتا ہے:

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

کہ ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ آگ پکڑے گی۔

الحاصل وہابیوں سے کوئی مدد نہ لی جائے۔ جن لوگوں نے مدد لی ہے، وہ آئندہ احتراز کریں، پھر اگر وہ حسب سابق پختہ سنی ہیں، وہابیوں سے حسب سابق نفرت وبیزاری رکھتے ہیں تو ان کی اباحت بھی صحیح ودرست ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد ابوالحسن قادری غفرلہ

خادم الافتاء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو

۱۹؍جنوری ۲۰۲۳ء

مستقل کالم: بہارشریعت پر ایرادات کا تنقیدی جائزہ (قسط نمبر ۱)

بہارشریعت کے چند مسائل کی تحقیق

(مفتی) فیضان المصطفیٰ قادری

کیا عورت مسافت سفر سے کم کا سفر تنہا کرسکتی ہے؟

مسئلہ نمبر ۱:

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

بہارشریعت حصہ ۱۶ آداب سفر کے بیان میں یہ مسئلہ درج ہے:

''عورت کو بغیر شوہر یا محرم کے تین دن یا زیادہ کا سفر کرنا ناجائز ہے، اور تین دن سے کم کا سفر اگر کسی مرد صالح یا بچہ کے ساتھ کرے تو جائز ہے۔ باندی کے لیے بھی یہی حکم ہے''۔

جب کہ بہارشریعت حصہ ۴، نماز مسافر کے بیان میں ہے:

''عورت کو بغیر محرم کے تین دن یا زیادہ کی راہ جانا ناجائز ہے، بلکہ ایک دن کی راہ جانا بھی''۔

بظاہر دونوں مسئلوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ پہلے مسئلے میں تین دن سے کم کا سفر جائز قرار دیا گیا جب کہ دوسرے مسئلے میں اسے بھی ناجائز قرار دیا گیا۔ توفیق وتطبیق کی کیا صورت ہوگی؟ اور کس مسئلے پر عمل درآمد ہوگا؟ واضح فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

(مولانا) محمد ارشد امجدی

الجواب بعون الملک الوہاب:

عورتوں کو مطلقاً گھر کے اندر رہنے کا حکم ہے، اور بلا ضرورت گھر سے باہر نکلنا منع ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ۔ (الاحزاب ۳۳) یہ خطاب اگر چہ امہات المومنین کے لیے ہے مگر قاعدہ ہے کہ سبب خاص ہوتو بھی حکم عام ہوتا ہے۔ (**العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب**)۔ اسی لیے شرع مطہر نے عورتوں کا نفقہ یا تو ان کے باپ پر رکھا یا ان کے شوہر پر، تاکہ انھیں کسبِ معاش کے لیے باہر نہ جانا پڑے۔ ہاں مجبوری اور ضرورت کے احکام الگ ہیں۔ لہٰذا اگر عورت کو کوئی ضروری کام ہے تو باہر جاسکتی ہے، اگر محلے میں ہی جانا ہے تو تنہا بھی جاسکتی ہے۔ شہر کے باہر جانا ہے تو بہتر ہے کہ کسی ایسے مرد کا ساتھ رہے جو اسے وقت ضرورت کام آئے، اور اس کی حفاظت کرسکے۔ اور اگر دور مسافتِ سفر کے لیے جانا ہے تو اس پر لازم ہے کہ بغیر شوہر یا محرم کے نہ نکلے، تاکہ کوئی غیر مرد اس کی طرف بری نظر نہ اٹھائے اور اس کی عزت وحرمت کی حفاظت رہے، نیز اسے سوار ہونے یا اترنے میں کسی مرد کی ضرورت ہو تو اسے یہ سہولت حاصل رہے، یوں ہی حادثاتی صورت حال پیدا

ہوجائے تو بھی اسے غیر مرد کا سہارا نہ لینا پڑے۔

اسی لیے اصلاً اگر چہ تین دن کی مسافت کا مسئلہ آزاد عورتوں کے ساتھ خاص ہے، اور باندیوں کو اتنی مسافت کو تنہا جانے کی اجازت ہے، مگر فسادِ زمان کے سبب انھیں بھی حکم دیا گیا کہ تنہا نہ جائیں، کسی کو ساتھ لے لیں۔ علامہ ابن کمال پاشا کا یہی فتویٰ ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

وجاز سفر الأمة وأم الولد والمكاتبة والمبعضة بلامحرم، هذا في زمانهم، أما في زماننا فلا، لغلبة أهل الفساد، وبه يفتي ابن كمال۔(درمختار كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع، ج: ۹، ص: ۶۴۲)

ترجمہ:۔ باندی، ام الولد، مکاتبہ اور معتقۃ البعض کا بغیر محرم کے سفر کرنا جائز ہے۔ مگر یہ اُس زمانے میں تھا، اب ہمارے دور میں اس کی اجازت نہیں، اس لیے کہ اس دور میں اہل فساد کا غلبہ ہے، علامہ ابن کمال کا اسی پر فتویٰ ہے۔

ظاہر الروایۃ میں عورتوں کے سفر کی ممانعت کا حکم تین دن کی مسافتِ سفر کے ساتھ خاص فرمایا ہے، اسی کو متون وشروح میں نقل کیا گیا ہے۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے:

وفيه اشارة الى أن الحرة لاتسافر ثلاثة ايام بلا محرم، واختلف فيما دون الثلاث، وقيل انها تسافر مع الصالحين والصبي والمعتوه غير محرمين، كما في المحيط۔(درمختار مع ردالمحتار كتاب الحظر والاباحة فصل في البيع، ج: ۹، ص ۶۴۲)

ترجمہ:۔ آزاد عورت محرم کے بغیر تین دن کی راہ کا سفر نہیں کرسکتی، اور تین دن سے کم کی راہ کے متعلق اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ غیر محرم صالحین، بچہ اور بوہرے کے ساتھ سفر کرسکتی ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

ثم المحرم أو الزوج انما يشترط اذا كان بين المرأة وبين مكة ثلاثة ايام فصاعداً فان كان أقل من ذلک حجت بغير محرم لان المحرم يشترط للسفر، وما دون ثلاثة أيام ليس بسفر فلايشترط فيه المحرم كما لايشترط للخروج من محلة الى محلة۔ (بدائع الصنائع ۲/۲۴۳ فصل في شرط فرائض الحج)

ترجمہ:۔ پھر محرم یا شوہر کی شرط تب ہے جب کہ عورت اور مکہ مکرمہ کے مابین تین دن یا زائد کی راہ ہو، اگر کم ہے تو بغیر محرم بھی حج کو جاسکتی ہے۔ اس لیے کہ محرم کی شرط سفر کے لیے ہے۔ اور تین دن سے کم کی راہ کا سفر سفرِ شرعی نہیں۔ لہٰذا اس میں محرم کی شرط نہیں جیسے ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں جانے کے لیے محرم شرط نہیں۔

البحر الرائق میں ہے:

وقيد بالسفر وهو ثلاثة ايام بلياليها لانه يباح لها الخروج الى مادون ذلک لحاجة بغير محرم۔

(البحر الرائق واجبات الحج ۲/۵۵۲)

ترجمہ:۔ سفر یعنی تین دن کی راہ کی قید اس لیے ہے کہ اس سے کم کی راہ کو اسے بغیر محرم جانے کی اجازت ہے۔

ان تینوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ یہی قولِ امام اور ظاہر الروایۃ ہے، لہٰذا فتویٰ اسی پر ہے، اور عامۂ متون وشروح میں اسی کا ذکر ہے۔

لیکن امام ابو یوسف کا قول دو روز کے سفر کے متعلق بھی یہی ہے کہ عورت بغیر شوہر یا محرم کے نہ نکلے، اور امام ابو حنیفہ سے بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے۔ لہٰذا مقامِ احتیاط میں کوئی مفتی اس قول پر عمل کا حکم دے تو بہتر ہے، جیسا کہ باندی اور مکاتبہ کو تنہا مسافتِ سفر کے لیے نکلنا جائز قرار دے کر اسے قولِ صحیح وراجح قرار دینے کے باوجود فسادِ زمان کے سبب ان کو بھی ممانعت فرمادی، جیسا کہ اوپر درمختار کے حوالے سے گزرا کہ علامہ ابن کمال پاشا نے فسادِ زمان کے سبب اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ تو اسی فسادِ زمان کے سبب اِس دور میں کوئی فتوی دے کہ عورتیں ایک یا دو روز کی راہ کے لیے بھی بغیر شوہر یا محرم کے نہ نکلیں تو یہ فتویٰ عین مصلحتِ شرعیہ کے مطابق ہوگا۔ جیسا کہ صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے بہارِ شریعت میں کیا ہے۔ اس سلسلے میں مختلف اقوال کی تفصیل فتاویٰ ہندیہ میں یوں ہے:

لاتسافر المرأة بغير محرم ثلاثة ايام فما فوقها، واختلفت الروايات فيما دون ذلک، قال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: أكره لها أن تسافر يوماً بغير محرم، وهكذا روي عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ۔ وقال الفقيه أبو جعفر رحمه الله تعالىٰ: واتفقت الروايات في الثلاث، أما ما دون الثلاث قال أبو جعفر رحمه الله تعالىٰ هو أهون من ذلک كذا في المحيط۔ وقال حماد رحمه الله تعالىٰ: لاباس للمرأة أن تسافر بغير محرم مع الصالحين، والصبى والمعتوه ليسا بمحرمين، و الكبير الذي يعقل محرم، كذا في التتارخانية۔ ويكره للأمة وأم الولد في زماننا المسافرة بلا محرم، كذا في الوجيز الكردري، والفتوىٰ على أنه يكره في زماننا هكذا في السراجية والله تعالىٰ أعلم۔

(عالمگیری کتاب الکراھیۃ الباب السادس والعشرون ۵/۳۶۶)

ترجمہ:۔ عورت بغیر محرم کے تین دن یا زائد کی راہ کو سفر نہ کرے، اور تین دن سے کم کے لیے روایتیں مختلف وارد ہوئیں، اما ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: عورت ایک دن کے سفر پر بھی تنہا نکلے میں مکروہ قرار دیتا ہوں، ایسی ہی روایت امام ابوحنیفہ سے بھی ہے۔ اور فقیہ ابوجعفر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: تین دن کی مسافت کے لیے تو روایتوں میں اتفاق ہے، اور اس سے کم کے لیے امام ابوجعفر فرماتے ہیں کہ اس کا حکم اس سے ہلکا ہے۔ جیسا کہ محیط میں ہے۔ اور حماد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: عورت کے لیے حرج نہیں کہ بغیر محرم کے کچھ نیک نیک لوگوں کے ساتھ نکلے، بچہ اور بوہرہ محرم نہیں، اور سمجھ دار بزرگ اس حکم میں محرم ہیں، ایسا ہی تتارخانیہ میں ہے۔ اور ہمارے زمانے میں باندی اور ام الولد کے لیے بلا محرم سفر کرنا مکروہ ہے۔ وجیز کردری میں ایسا ہی ہے۔ اور فتویٰ اس پر ہے کہ ہمارے دور میں یہ مکروہ ہے ایسا ہی سراجیہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یہ تھی فقہائے کرام کی عبارتیں جن سے ثابت ہوا کہ اصل مذہب یہ ہے کہ عورت تین دن کی راہ کو بنا شوہر یا محرم نہیں جاسکتی، کم مسافت کو جاسکتی ہے، اور احتیاط یہ ہے کہ عورت کو کم مسافت کے لیے بھی تنہا سفر سے منع کیا جائے۔ اس کے لیے مذکورہ عبارت سے استشہاد کیا جاسکتا ہے، ساتھ ہی متعدد صحیح حدیثوں سے بھی استیناس کیا جاسکتا ہے۔

اس کے لیے ہم ذیل میں چند حدیثیں نقل کرتے ہیں۔
اکثر حدیثوں میں عورتوں کو محرم کے بغیر تین دن کے سفر سے منع کیا گیا ہے، لیکن کچھ روایتوں میں دو دن بلکہ ایک دن کے سفر سے بھی منع کیا گیا ہے۔ یہ روایتیں ترتیب وار درج ذیل ہیں:
بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:
ان النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: لاتسافر المرأة ثلاثة ايام الا مع ذي محرم۔ (صحيح البخاري باب في كم يقصر الصلاة رقم الحديث ۱۰۸۶)
ترجمہ:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت تین دن کی مسافت کو سفر نہ کرے مگر محرم کے ساتھ۔
مسلم شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:
ان النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: لاتسافر امرأة فوق ثلاث ليال الا مع ذی محرم۔ (صحيح مسلم باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغيره رقم الحديث ۱۸ ۴ ۳)
ترجمہ:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت تین دن کی مسافت کو سفر نہ کرے مگر محرم کے ساتھ۔
بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:
يحدث بأربع عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم فأعجبنني وآنقنني، قال: لاتسافر المرأة يومين الا معها زوجها أوذو محرم۔ (صحيح البخارى باب مسجد بيت المقدس رقم الحديث ۱۱۹۷)

ترجمہ:۔ حضرت ابو سعید خدری نے چار باتیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان کیں جو مجھے اچھی اور بہتر لگیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت دو دن کی مسافت پر نہ نکلے مگر جب کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا محرم ہو۔
اور ترمذی شریف میں ایک روایت یوں ہے:
عن أبي هريرة قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لاتسافر امرأة مسيرة يوم وليلة الا ومعها ذو محرم۔ هذا حديث حسن۔ (ترمذی شريف باب ما جاء في كراهية أن تسافر المرأة۔ رقم الحديث ۱۱۷۰)
ترجمہ:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت ایک دن رات کی مسافت کا سفر نہ کرے مگر اس حال میں کہ اس کے ساتھ محرم ہو۔
ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ دو دن بلکہ ایک دن کی مسافت کے لیے بھی عورتوں کو حکم ہوا کہ شوہر یا محرم کے بغیر نہ جائیں۔ البتہ تین دن والی روایتوں کی بنا پر جب ائمہ حنفیہ نے اسے حرام قرار دیا تو امام ابو یوسف نے اس سے کم کے لیے مکروہ قرار دیا، اور حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اسی مکروہ والی روایت کے مطابق بہار شریعت میں فرمایا: ''بلکہ ایک دن کی راہ جانا بھی''۔

تطبیق وتوفیق:

مذکورہ پوری بحث کو ذہن میں رکھتے ہوئے سوال میں مذکور صدر الشریعہ کے بیان کردہ دونوں مسئلوں پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ صدر الشریعہ نے ''آداب سفر کے بیان'' میں اصل حکم بیان فرمایا، جس میں ممانعت صرف تین دن کی راہ تک جانے کی ہے۔ اور ''نماز مسافر کے بیان'' میں امام ابو حنیفہ کی دوسری روایت

جو کہ قول امام ابو یوسف بھی ہے اس کے مطابق تین دن سے کم مسافت کے لیے بھی تنہا جانے سے منع کیا،اور فرمایا:

''عورت کو بغیر محرم کے تین دن یا زیادہ کی راہ جانا ناجائز ہے، بلکہ ایک دن کی راہ جانا بھی''۔

ظاہر ہے کہ فسادِ زمان کے سبب اس قول پر عمل کا حکم دیا۔

هذا ما فهمته من كلمات العلماء، لعله يكون صواباً والله تعالىٰ أعلم بالصواب واليه المرجع والمآب۔

فقیر فیضان المصطفیٰ قادری غفرلہ

روز جمعہ ۷؍جولائی ۲۰۲۳ء

مردہ پیدا ہونے والے بچے کا نام رکھا جائے یا نہیں؟

مسئلہ نمبر ۲:

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں:

بہارشریعت حصہ ۱۶ میں ''نام رکھنے کے بیان'' میں یہ مسئلہ درج ہے:

''مرا ہو بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام رکھنے کی حاجت نہیں، بغیر نام رکھے دفن کر دیں''۔(بہارشریعت)

جب کہ اسی بہارشریعت حصہ ۴ ''نمازِ جنازہ کے بیان'' میں یہ مسئلہ بھی درج ہے کہ:

''بچہ زندہ پیدا ہوا یا مردہ، اس کی خلقت تمام ہو یا ناتمام، بہرحال اس کا نام رکھا جائے اور قیامت کے دن اس کا حشر ہوگا''۔(بہارشریعت)

بظاہر دونوں مسئلوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے، توفیق وتطبیق کی کیا صورت ہوگی؟ اور کس مسئلے پر عمل درآمد ہوگا؟ واضح فرمائیں نوازش ہوگی۔ (مولانا) محمد ارشد امجدی

الجواب بعون الملک الوھاب:

اولاً: اگرچہ بظاہر دونوں عبارتوں میں تعارض محسوس ہو رہا ہے لیکن غور کیا جائے تو کوئی تعارض نہیں، کیوں کہ پہلی عبارت میں لزوم کی نفی ہے اور دوسری عبارت میں جواز کا اثبات ہے۔ دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہوا کہ نام رکھنا ضروری تو نہیں لیکن نام رکھ لے تو کوئی حرج بھی نہیں، بلکہ نام رکھ لینا بہتر ہے، کیوں کہ قیامت کے دن اسے اسی نام سے پکارا جائے گا۔ ان دونوں عبارتوں کے درمیان ہماری طرف سے یہی تطبیق وتوفیق کی صورت ہے۔

ثانیاً: اگر تعارض ہو بھی تو قولِ ثانی کو قولِ اول پر راجح قرار دے کر اسی کو اختیار کیا جائے گا، اس لیے کہ بہارشریعت کی مذکورہ دونوں عبارتوں میں قولِ ثانی کے ساتھ کلماتِ تائید وتاکید مذکور ہیں، جن سے قولِ اول خالی ہے۔ لہٰذا یہ کلماتِ تائید قرینہ ہیں کہ قولِ ثانی قولِ مختار ہے۔

ثالثاً: قولِ ثانی کی عبارت پر نظر ڈالیں تو اس کے کلمات بچے کی موت کی تمام صورتوں کو محیط ہیں، اور یہ جملہ ''بہرحال اس کا نام رکھا جائے'' تاکید کا بھی افادہ کرتا ہے۔ اور آخری جملہ ''اور قیامت کے دن اس کا حشر ہوگا'' یہ نام رکھنے کی علت کی طرف اشارہ ہے، جس سے قولِ اول خالی ہے۔ اسی کو کہتے ہیں ''**التعليل دليل التعويل**''، یعنی بیانِ حکم کے ساتھ اس کی علت بھی ذکر کی جائے تو حکم کے راجح اور معتبر ہونے کا اشارہ ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ شامی شرح عقود رسم المفتی میں فرماتے ہیں:

وكذا لو ذكروا قولين مثلاً وعلّلوا لأحدهما كان ترجيحاً له على غير المعلل كما أفاده الخير الرملي في كتاب الغصب من فتاواه الخيرية۔

(شرح العقود ص ۱۶ مکتبہ بشریٰ کراچی)

بہار شریعت کی اس توجیہ کی تفصیل یہ ہے کہ کسی بچے کا نام رکھنے کا فائدہ دوطرح کا ہوسکتا ہے، دنیوی اور اخروی، بچہ مرا پیدا ہوا یا زندہ پیدا ہوکر مرگیا، دونوں صورتوں میں اب دنیاوی فائدہ تو نہیں رہا، کہ وہ مرچکا، اب اسے نام سے بلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، ہاں اخروی فائدہ ہے، کہ میدان محشر میں اسے اس کے نام سے پکارا جائے۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ اس کا حشر ہوگا یا نہیں؟ تو علامہ شامی قدس سرہ السامی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ اگر بچے میں روح پھونکی جاچکی ہے تو اس کا حشر ہوگا، ورنہ نہیں۔ اور جنین میں روح تو ولادت سے بہت پہلے یعنی چوتھے مہینے پر ہی پھونک دی جاتی ہے، تو ظاہر ہوا کہ بچہ مردہ پیدا ہوتو بھی اس کا حشر ہوگا، بلکہ مذہبِ حنفی اس بات کا مقتضی ہے کہ اگر بچے کی خلقت کچھ حد تک ظاہر ہو جائے تو بھی اس کا حشر ہوگا۔ اور اس کے حشر کا ہی تقاضا ہے کہ اس کا نام رکھا جائے، تاکہ میدانِ محشر میں اسے اس کے نام سے پکارا جائے۔ بلکہ ایک حدیث شریف میں صراحت ہے کہ اپنے کچے بچوں کا بھی نام رکھو، کہ وہ آخرت میں تمہارے لیے کارآمد مفید ہوں گے۔

علامہ شامی کی عبارت یہ ہے:

وهل يحشر؟ عن أبي جعفر الكبير انه ان نفخ فيه الروح حشر والا لا، والذي يقتضيه مذهب أصحابنا انه ان استبان بعض خلقه فانه يحشر، وهو قول الشعبي وابن سيرين اهـ ووجهه ان تسميته تقتضي حشره، اذ لافائدة لها الا في ندائه في المحشر باسمه، وذكر العلقمي في حديث "سمّوا أسقاطكم فانهم فرطكم" الحديث۔ (رد المحتار كتاب الصلاة، مطلب مهم اذا قال ان شتمت، ج:۳، ص:۱۵۴)

جب واضح ہوا کہ کئی وجوہ سے ترجیح قول ثانی کو حاصل ہے تو عمل اسی پر کرنا چاہیے کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام رکھا جائے اگر چہ مردہ پیدا ہو، اس کی خلقت تمام ہو یا ناتمام۔ اب بہار شریعت کی پہلی عبارت کا مفاد یہ ہوگا کہ بچہ مردہ پیدا ہوا اور بے نام رکھے اسے دفن کر دیا تو حرج نہیں، لیکن نام رکھنا بہر حال بہتر ہے۔

اصل بحث:

کتب فقہ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ فقہائے کرام کے مابین اصل اختلاف نام رکھنے نہ رکھنے کے متعلق نہیں ہے، بلکہ اصل اختلاف اس بارے میں ہے کہ بچہ مردہ پیدا ہو تو اسے غسل دینا ہے یا نہیں؟ اسی بحث کے ضمن میں نام رکھنے نہ رکھنے کی بات بھی آگئی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بچہ زندہ پیدا ہوکر مرے تو اس کی نماز جنازہ ہوگی اور مردہ پیدا ہوا تو اس کی نماز جنازہ نہیں ہوگی۔ اس قدر پر کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں غسل دینے کے متعلق اختلاف ہوا، بعض فقہائے کرام نے فرمایا کہ زندہ پیدا ہوکر مرے تو غسل دیا جائے گا، اور مردہ پیدا ہوا تو غسل نہیں دیا جائے گا۔ جب کہ بعض فقہائے کرام نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں غسل دیا جائے گا، اور اسی کو ترجیح دیا گیا۔ بعض نے دونوں میں تطبیق کی صورت یہ بتائی کہ قائلین غسل کی مراد مطلقِ غسل ہے

اور مانعین کی مراد غسلِ مسنون ہے۔

اب مسئلہ نام رکھنے نہ رکھنے کا ہے، تو زندہ پیدا ہو کر مرنے والے بچے کے نام رکھا جائے گا اس پر اتفاق ہے، لیکن مردہ پیدا ہونے والے کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ نام رکھنے کی ضرورت نہیں، دوسرا قول ہے کہ اس کا نام رکھا جائے گا۔ اس کی وجہ ترجیح اوپر گزری۔ اب ذیل میں ہم اس مسئلے کو عبارات فقہاء کے حوالے سے پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''درمختار'' میں نام رکھنے اور غسل دینے کو زندہ پیدا ہو کر مرنے والے بچے کے لیے بلا اختلاف ذکر کیا پھر مردہ پیدا ہو کر مرنے والے کے لیے بھی تفصیل و ترجیح ذکر کیا چنانچہ درمختار میں فرمایا:

ومن ولد فمات يغسل ويصلى عليه ويرث ويورث ويسمى (ان استهل)(الدرالمختارمع رد المحتار ۳/۱۵۲)

ترجمہ:۔ جو بچہ پیدا ہو کر مرے اسے غسل دیا جائے گا نماز جنازہ ہوگی وہ وارث و مورث ہوگا اور اس کا نام بھی رکھا جائے گا۔

صاحبِ درمختار علامہ علاء الدین حصکفی نے تو ان چاروں امور کو (ان استہل) یعنی زندہ ہونے سے متعلق فرمایا ہے۔ استہل کا معنی آتا ہے چلّانا، جیسے نیا چاند دیکھ کر لوگ آواز بلند کرتے ہیں، بچے کی جوں ہی ولادت ہوتی ہے وہ بلند آواز سے روتا ہے، یہ رونا اس کی زندگی اور صحت و تندرستی کی علامت ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ بچہ روتا ہے تو گھر کے لوگ ہنستے ہیں، نہ روئے تو گھر والے روئیں۔ پیدائش کے وقت بچے کا نہ رونا اس بات کی علامت ہے کہ بچہ مردہ پیدا ہوا، اب اسے غسل دینا ہے یا نہیں؟ امام ابو یوسف کے نزدیک اب بھی اسے غسل دینا ہے اور اس کا نام بھی رکھنا ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

(والا) يستهل (غسل وسمى) عند الثاني وهو الأصح ، فيفتى به على خلاف ظاهر الرواية اكراماً لبني آدم كما في ملتقى الابحر۔ وفي النهر عن الظهيرية: واذا استبان بعض خلقه غسل وحشر هو المختار۔ (وأدرج في خرقة ودفن ولم يصلّ عليه) وكذا لايرث ان انفصل بنفسه۔ (الدرالمختارمع ردالمحتار ۳/۱۵۳، ۱۵۴)

ترجمہ:۔ بچہ اگر مردہ پیدا ہوا تو اسے بھی امام ابو یوسف کے نزدیک غسل دیا جائے اور نام رکھا جائے گا یہی زیادہ صحیح ہے، لہٰذا ظاہر الروایۃ کے برخلاف اکرام انسانی کے تحت اسی پر فتویٰ دیا جائے گا، جیسا کہ ملتقی الابحر میں ہے۔ اور النہر الفائق میں ظہیریہ سے ہے کہ جب بچے کی کچھ تخلیق ظاہر ہو جائے تو اسے غسل دیا جائے اور اس کا حشر ہوگا یہی مختار ہے۔ اسے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا۔ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، وہ وارث بھی نہ ہوگا اگر خود ہی جدا ہوا۔

ردالمحتار میں علامہ شامی ''والا يستهل غسل وسمّي'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

شمل ما تم خلقه، ولا خلاف في غسله ومالم يتم وفيه خلاف، والمختار أنه يُغَسَّل ويُلَفُّ في خرقة، ولايصلّى عليه كما في المعراج والفتح والخانية والبزازية والظهيرية ۔ شرنبلالية۔ وذكر في شرح المجمع أن الخلاف في الاول، وان الثاني لايغسل

اجماعاً۔اھ (المرجع السابق ۱۵۳/۳)

ترجمہ:۔مصنف کا قول ''بچہ نہ روئے'' تام الخلق اور غیر تام الخلق دونوں کو شامل ہے۔ تام الخلق کے نہلانے میں اختلاف نہیں، لیکن غیر تام الخلق میں اختلاف ہے، اور مختار یہ ہے کہ اسے بھی نہلایا جائے، ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، جیسا کہ شرنبلالیہ میں معراج، فتح القدیر، خانیہ، بزازیہ، اور ظہیریہ کے حوالے سے لکھا۔شرح مجمع البحرین میں ہے کہ اول (تام الخلق کا نہلانا) مختلف فیہ ہے، ثانی (غیر تام الخلق) میں اجماع ہے کہ غسل نہیں۔

علامہ شامی وحشر کی تشریح میں فرماتے ہیں:

وهل يحشر ؟ عن أبي جعفر الكبير انه ان نفخ فيه الروح حشر والا لا، والذي يقتضيه مذهب أصحابنا انه ان استبان بعضُ خلقه فانه يحشر، وهو قول الشعبي وابن سيرين اهـ ووجهه أن تسميته تقتضي حشره، اذ لافائدة لها الا في ندائه في المحشر باسمه، وذكر العلقمي في حديث ''سمّوا أسقاطكم فانهم فرطكم'' الحديث، فقال: فائدة: سأل بعضهم هل يكون السقط شافعاً ومتى يكون شافعاً؟ هل هو من مصيره علقة أم من ظهور الحمل، أم بعد مضي أربعة أشهر أم من نفخ الروح؟ والجواب أن العبرة انما هو بظهور خلقه وعدم ظهوره كما حرره شيخنا زكريا۔ (المرجع السابق ۱۵۴/۳)

ترجمہ:۔ کچے بچے کا حشر ہوگا یا نہیں؟ ابوجعفر کبیر سے مروی ہے کہ اگر اس کے جسم میں روح پھونکی جا چکی ہے تو اس کا حشر ہوگا، اور ہمارے فقہائے حنفیہ کے مذہب کا مقتضی یہ ہے کہ اگر بچے کی کچھ خلقت ظاہر ہو تو اس کا حشر ہوگا، یہی امام شعبی اور امام محمد بن سیرین کا قول ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ نام رکھنا اس کے حشر کو مقتضی ہے، کیونکہ نام رکھنے کا فائدہ یہی ہے کہ میدانِ محشر میں اسے اس کے نام سے پکارا جائے۔علقمی نے اس سلسلے میں ایک حدیث بھی نقل کی ہے، ارشاد ہے: ''سمّوا أسقاطكم فانهم فرطكم'' الحدیث، اپنے کچے بچوں کا نام رکھو، کہ وہ تمہارے لیے میدان محشر میں آگے ہوں گے۔کسی نے پوچھا کہ ضائع بچہ سفارشی ہوگا یا نہیں؟ اور ہوگا تو کس حالت کا سقط سفارشی ہوگا؟ علقہ ہو چکا تب ہی سے؟ یا حمل کے ظہور سے؟ یا چار ماہ گزر جانے کے بعد سے؟ یا نفخ روح سے؟ جواب یہ ہے کہ اس کی خلقت اور اعضا کے ظہور اور عدم ظہور کا اعتبار ہے، جیسا کہ ہمارے شیخ زکریا نے لکھا ہے۔

مردہ پیدا ہونے والے بچے کے لیے غسل وتسمیہ ہے یا نہیں؟ امام سرخسی نے اس اختلاف کو امام ابو یوسف اور امام محمد کا اختلاف قرار دیا۔اور فرمایا کہ امام ابو یوسف کے نزدیک اسے غسل دیں گے اور نام بھی رکھیں گے، لیکن امام محمد کے نزدیک اسے غسل نہیں دیں گے اور نام بھی نہیں رکھیں گے۔ اس کی تفصیل امام سرخسی مبسوط میں یوں بیان کرتے ہیں:

ومن وُلد ميّتاً لايُغسّل ولايصلّى عليه، وفي غسله اختلاف في الروايات، فروي عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه يُغسّل ويُسمّى ولايصلّى عليه، هكذا ذكره الطحاوي رحمه الله تعالىٰ۔ وعن محمد رحمه الله تعالىٰ أنه لايُغسّل ولايُسمّى ولايُصلّى عليه هكذا ذكره الكرخي، ووجه هذا أن المنفصل ميتاً في حكم الجزء

حتی لایُصلّی علیه، فکذلک لایُغسَّل، ووجه ما اختاره الطحاوي أن المولود میّتاً نفس مؤمنة، ومن النفوس من یُغسَّل ولایصلّی علیه، وأکثر ما فیه أنه في حکم الجزء من وجه وفي حکم النفس من وجه، فلاعتبار الشبهین قلنا یُغسّل اعتباراً بالنفوس ولایُصلّی علیه اعتباراً بالاجزاء، وان وُلد حیّاً ثم مات صُنع به ما یُصنع بالموتی من المسلمین لأنه نفس مؤمنة من کل وجه حین انفصل حیّاً۔ (المبسوط للسرخسي ۲/۵۷)

ترجمہ:۔ جو بچہ مردہ پیدا ہوا اسے نہ غسل دیں گے نہ اس کی نماز جنازہ ہوگی۔ اس کے غسل کے مسئلے میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اس کو غسل دیں گے اور اس کا نام بھی رکھیں گے، اس کی نماز جنازہ نہ ہوگی۔ ایسا ہی امام طحاوی نے ذکر فرمایا ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ اس کو نہ غسل دیں گے نہ اس کا نام رکھیں گے، ایسا ہی امام کرخی نے ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مردہ پیدا ہونے والا بچہ انسانی عضو کے حکم میں ہے۔ اسی لیے اس پر نماز نہیں پڑھی جاتی، تو اس کو غسل بھی نہیں دیا جائے گا۔ اور امام طحاوی کے اختیار کی وجہ یہ ہے کہ مردہ پیدا ہونے والا بچہ ایک مومن جان ہے، اور کچھ جان ایسی ہوتی ہے کہ انھیں غسل دیا جاتا ہے مگر نماز نہیں پڑھی جاتی (اسی طرح یہ بھی ہوگی) زیادہ سے زیادہ اس میں یہ ہوسکتا ہے کہ یہ من وجہ ''انسانی عضو'' کے حکم میں ہو اور من وجہ ''انسانی جان'' کے حکم میں ہو، تو دونوں مشابہتوں کے اعتبار سے ہم نے کہا کہ ''انسانی جان'' کے اعتبار سے غسل دیا جائے اور ''انسانی عضو'' کے اعتبار سے نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ اور اگر زندہ پیدا ہو کر مرا تو اس کے ساتھ مسلمان مُردوں کا سا سلوک کیا جائے گا اس لیے کہ جب زندہ پیدا ہوا تو ہر اعتبار سے نفس مومن ہے۔

اسی کو امام فخر الدین زیلعی نے تبیین الحقائق میں بیان فرمایا ہے:

والّا لا: أي ان لم یستهل لایُصلّی علیه الحاقاً له بالجزء ولهذا لم یرث، واختلفوا في غسله وتسمیته فذکر الکرخي عن محمد أنه لم یُغسّل ولم یُسمَ وذکر الطحاوي عن أبي یوسف أنه یُغسّل ویُسمّی۔ (تبیین الحقائق علی الکنز الدقائق، کتاب الصلاۃ باب الجنائز ۱/۵۸۱)

ترجمہ:۔ بچہ اگر مردہ پیدا ہوا تو اس کی نماز جنازہ نہیں، اس لیے کہ وہ عضو انسانی کے حکم میں ہے، اسی وجہ سے وہ وارث نہیں۔ اس کے غسل دینے اور نام رکھنے میں اختلاف ہوا۔ امام کرخی نے امام محمد سے روایت کیا کہ اسے نہ تو غسل دیں گے نہ ہی اس کا نام رکھا جائے گا۔ اور امام طحاوی نے امام ابو یوسف کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ اسے غسل بھی دیا جائے گا اور نام بھی رکھا جائے گا۔

اس پر حاشیہ شلبی میں ہے:

قوله وان لم یستهل الخ قال في الهدایة وان لم یستهل أدرج في خرقة لکرامة بني آدم ولم یُصلّ علیه لما روینا ویُغسّل في غیر الظاهر من الروایة لأنه نفس من وجه وهو المختار اهـ وقوله لما روینا قال الکمال ولو لم یثبت کفی في نفیه کونه نفساً من وجه جزئً من الحي من وجه، فعلی الاول یُغسَّل ویُصلّی علیه، وعلی اعتبار الثاني لا، فأعملنا الشبهین فقلنا یُغسَّلُ عملاً بالاول

ولایُصلّی علیه عملا بالثاني، ورجّحنا خلاف ظاهر الروایة۔ واختلفوا في غسل السقط الذي لم تتم خِلقةُ أعضائه، والمختار أنه یُغسَل ویُلَفُّ في خرقة اھ۔ کذا في المبسوط والمحیط، وقیل لایُغسَل بل یُلَفُّ في خرقة ویُدفن، وبه قال الشافعي، ثم في الفتاویٰ الظهیریة ویُحشر هذا السقط، وعن أبي حفص الکبیر اذا نُفخ فیه الروح یُحشر، والا فلا، والذي یقتضیه مذهب علمائنا أنه یُحشر اذا استبان بعضُ خلقه وهو قول الشعبي وابن سیرین کذا في معراج الدرایة۔ اھ۔ (حاشیة الشلبي علی التبیین کتاب الصلاۃ باب الجنائز ۱/۳ ۵۸۱)

ترجمہ:۔ ہدایہ میں فرمایا کہ اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو اسے انسانی جان کے احترام میں ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا، اس کی نماز جنازہ نہیں ہوگی۔ اور غیر ظاہر الروایہ کے مطابق اسے غسل دیں گے، اس لیے کہ وہ من وجہ ایک جان ہے، اور یہی مختار ہے۔ انتہی۔ امام کمال الدین نے فرمایا کہ نماز جنازہ نہ پڑھنے کی روایت اگر ثابت نہ ہو تو اس کی نفی کے لیے اسی قدر کافی ہے کہ وہ من وجہ ایک جان ہے اور من وجہ زندہ جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ تو پہلے کا اعتبار کریں تو غسل اور نماز جنازہ دونوں ہونی چاہیے، اور دوسرے کا اعتبار کریں تو دونوں نہیں ہونے چاہییں، تو ہم نے دونوں مشابہتوں پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ اول کے اعتبار سے غسل دیا جائے اور ثانی پر عمل کرتے ہوئے نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ اس مسئلہ میں خلافِ ظاہر الروایہ کو ترجیح حاصل ہے۔ ہاں اس کچے بچے کے تعلق سے اختلاف ہے جس کے اعضا کی ساخت ابھی پوری نہ ہوئی تھی، مختار یہ ہے کہ اسے غسل دیکر ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا۔ ایسا ہی مبسوط اور محیط میں ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اسے غسل دیے بغیر کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا، یہی قول امام شافعی کا ہے۔ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ کچے بچے کا حشر ہوگا۔ امام ابو حفص کبیر سے ہے کہ اس میں روح پھونکی گئی ہے تو وہ قیامت کے دن اٹھایا جائے گا، ورنہ نہیں۔ ہمارے مذہب کے مطابق اس کی خلقت کچھ تیار ہو چکی ہے تو اس کا حشر ہوگا، یہی امام شعبی اور امام ابن سیرین کا قول ہے۔

ملتقی الابحر اور مجمع الانہر میں ہے:

(ومن استهل بعد الولادة غُسِل وسُمِّي وصُلّي علیه) لان الاستهلال دلیل الحیاة ولهذا یرث ویورث والمعتبر في ذلک خروج الاکثر قبل الموت، (والا غُسِّل فيالمختار) وعن محمد انه لایُغسَّل ولایُسمّی وهو ظاهر الروایة لکن المختار هو الاول لأنه نفس من وجه۔ وفي الدرر غُسِّل في ظاهر روایة لکن روایة الظاهر غیر ظاهرة تدبر (وأُدرج في خرقة) کرامة لبنيآدم ودُفِن (ولایُصلّی علیه) الحاقاً له بالجزء ولهذا لم یرث۔ (مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر کتاب الصلاۃ باب صلاۃ الجنائز ۱/۳۷ ۲)

ترجمہ:۔ جو بچہ زندہ پیدا ہو کر مرا اسے غسل دیا جائے گا، نام رکھا جائے گا، اور نماز جنازہ بھی ہوگی۔ اس لیے کہ رونا دلیلِ حیات ہے، اسی وجہ سے وہ وارث اور مورث ہوتا ہے، اس میں اعتبار اس کا ہے کہ موت سے قبل بچے کے جسم کا اکثر حصے باہر آ چکا ہو۔ اور مردہ پیدا ہوا تو قولِ مختار کے مطابق

غسل دیا جائے گا، اور امام محمد کے مطابق غسل نہیں دیا جائے گا نہ ہی نام رکھا جائے گا، یہی ظاہر الروایہ ہے، لیکن مختار قولِ اول ہے۔ اس لیے کہ وہ من وجہ ایک جان ہے۔ درر میں ہے کہ ظاہر روایت کے مطابق اسے غسل دیا جائے گا، مگر ظاہر الروایہ ظاہر نہیں۔ اسے بطورِ اعزاز کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا، اور انسانی عضو سے ملحق ہونے کے سبب اس کی نماز جنازہ نہیں ہوگی، ، یہی وجہ ہے کہ وہ وارث نہیں ہوتا۔

علامہ ابن نجیم مصری نے البحر الرائق میں نام رکھنے کی وجہ ذکر کی ہے۔

قوله(ومن استهل صُلِّي عليه والا لا) ذكر المصنف أن حكمه الصلاة عليه ويلزمه أن يغسَّل وان يرث ويورث وأن يُسَمّى وان لم يبق بعده حيا لاكرامه، لانه من بني آدم ويجوز أن يكون له مال يحتاج أبوه الى أن يُذكر اسمه عند الدعوىٰ به۔(البحر الرائق كتاب الجنائز، فصل السلطان احق ۲/۳۳۰)

ترجمہ:۔ جو بچہ زندہ پیدا ہوکر مرگیا اس کی نمازِ جنازہ ہوگی، ورنہ نہیں۔مصنف نے ذکر کیا کہ اس کی نماز جنازہ ہوگی، اسے لازم ہے کہ اسے غسل دیا جائے گا اور وہ وارث ومورث بنے گا، اور اس کا نام بھی رکھا جائے گا، اگرچہ اس کے بعد زندہ نہ رہے۔اس لیے کہ وہ انسان کی اولاد ہے۔ہوسکتا ہے کہ اس بچے کی ملک میں کچھ مال آئے، تو اس بچے کو ایک نام دینا چاہیے تاکہ اگر اس کے والد کو ضرورت پڑے کہ بیٹے کے مال کا دعویٰ کرے تو اس کے نام سے دعویٰ کر سکے۔

آگے فرماتے ہیں:

أفاد بقوله "وإلّا لا" أنه اذا لم يستهل لا يُصلّى عليه ويلزم منه أن لا يُغسَّل ولا يرث ولا يورث ولا يُسمّى واتفقوا على ما عدا الغسل والتسمية، واختلفوا فيهما فظاهر الرواية عدمهما، وروى الطحاوي فعلهما، وفي الهداية أنه المختار لانه نفس من وجه۔ وفي شرح المجمع للمصنف اذا وضع المولود سقطاً تام الخلقة قال أبويوسف يُغسَّل اكراماً لبني آدم، وقالا يُدرج في خرقة ولا يُغسَّل والصحيح قول أبي يوسف۔ واذا لم يكن تامَّ الخلق لا يُغسَّل اجماعاً اهـ وبهذا ظهر ضعف ما في فتح القدير والخلاصة من أن السقط الذي لم تتم خِلقةُ أعضائه المختار أنه يُغسَّل اهـ

(البحر الرائق المرجع السابق)

ترجمہ:۔ ''الا لا'' سے یہ افادہ فرمایا کہ اگر بچہ نہ رویا تو اس کی نمازِ جنازہ نہ ہوگی، اس سے لازم کہ اسے نہ غسل دیا جائے نہ اسے وارث یا مورث بنایا جائے، نہ اس کا نام رکھا جائے۔غسل وتسمیہ کے علاوہ پر تو اتفاق ہے، ان دونوں کے متعلق اختلاف ہے، ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اس کے لیے غسل وتسمیہ نہیں، اور امام طحاوی سے دونوں کرنا مروی ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ یہی مختار ہے۔ اس لیے کہ وہ من وجہ ایک جان ہے۔ اور شرح مجمع میں ہے کہ جب نومولود تام الخلق ہوکر مردہ پیدا ہو تو امام ابو یوسف کے بقول اس کو اکرام انسانی کے تحت غسل دیا جائے گا، اور طرفین نے فرمایا کہ اسے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا، یعنی غسل

نہیں دیا جائے گا۔ امام ابو یوسف کا قول صحیح ہے۔ اور اگر تام الخلق نہیں تو بالاتفاق غسل نہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ فتح القدیر اور خلاصۃ میں جو ہے کہ سقط جو تام الخلق نہ ہوا سے غسل دینا قول مختار ہے یہ ضعیف ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

وفي المبتغىٰ السقط الذي لم تتم أعضائه هل يحشر؟ قيل اذا نُفِخَ فيه الروح يُحشر والا فلا، وقيل اذا استبان بعض خلقه يحشر اھ۔ وفي الظهيرية: والذي يقتضيه مذهبُ علمائنا أنه اذا استبان بعضُ خلقه فانه يحشر وهو قول الشعبي وابن سيرين اھ۔

(البحر الرائق المرجع السابق ۲/ ۳۳۱)

ترجمہ:۔ مبتغیٰ میں ہے کہ سقط جس کے اعضا مکمل نہ ہوئے کیا اس کا حشر ہوگا؟ ایک قول یہ ہے کہ اس میں روح پھونکی جا چکی تو حشر ہوگا ورنہ نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے کچھ اعضا ظاہر ہو چکے ہوں تو حشر ہوگا۔ ظہیریہ میں ہے کہ ہمارے مذہب کا مقتضی یہ ہے کہ کچھ خلقت تیار ہو جائے تو حشر ہوگا، یہی قول امام شعبی اور امام محمد بن سیرین کا ہے۔

خلاصۂ بحث:

اگر بچہ زندہ پیدا ہوا تو اس کا نام رکھا جائے گا، اوپر علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ایک دنیاوی فائدہ بھی بتایا کہ زندہ پیدا ہونے والا بچہ چونکہ وارث و مورث ہوتا ہے اس لیے اگر کسی جہت سے کچھ مال اس کی ملکیت میں آیا تو اس کے والد اس کے نام سے دعویٰ کر سکتے ہیں۔ یہ فائدہ مردہ پیدا ہونے والے بچے کے نام رکھنے میں نہیں۔ کیوں کہ وہ مالک یا وارث و مورث نہیں ہو سکتا، اس لیے اس کے نام سے دعویٰ کی ضرورت نہ پڑے گی، ممکن کہ اسی وجہ سے اس کے نام رکھنے کی حاجت محسوس نہیں کی گئی، ورنہ اس کے نام رکھنے کا اخروی فائدہ ہے، جس کا ذکر علامہ شامی کی بحث میں شروع میں گزری۔ اور آخرت کو بہر حال دنیا پر ترجیح حاصل ہے لہٰذا اخروی فائدے کے لیے مردہ پیدا ہونے والے بچے کا بھی نام رکھا جائے گا۔ لہٰذا یہی قول راجح ہے۔ اور نام نہ رکھنے کا قول چونکہ امام محمد کا ہے، بلکہ اسے ظاہر الروایہ بھی کہا گیا ہے جیسا کہ اوپر درمختار، شلبیہ اور مجمع الانہر کی عبارتوں سے ظاہر ہے۔ بلکہ فتاویٰ ہندیہ میں اسے امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے جیسا کہ کتاب الکراہیۃ ۵/ ۳۶۲ پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس لیے حضور صدر الشریعہ نے اس قول کو یکسر نظر انداز نہ فرمایا، اور اسے دوسرے مقام پر (۱۶ ویں حصہ میں) نام رکھنے کے بیان میں ذکر فرمایا۔ مگر پہلے قولِ راجح کو تفصیل سے ذکر کیا، اور اسے بہار شریعت کے چوتھے حصے میں "کتاب الجنائز" میں رکھا، جس پر افقہ الفقہاء امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے نظر ثانی فرمائی اور اسے منقح اور محقق قرار دیا۔ یہ بڑی وجہ ہے کہ ہم اسی قول کو راجح سمجھیں اور اسی پر عمل کریں۔

هذا ما عندي والعلم بالحق والصواب عندالله تعالىٰ واليه المرجع والمآب۔

فقیر فیضان المصطفیٰ قادری غفرلہ القوی

وارد حال مدرسہ اہل سنت فیض العلوم جمشید پور

روز جمعہ مبارکہ

۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ

صحابہ کرام پر رافضیوں کی تہمت اور بدکلامی کا تاریخی جائزہ

شمیم رضا اویسی امجدی
خادم التدریس :طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

اسلام میں رونما ہونے والے فرقوں میں قدیم ترین فرقہ شیعہ فرقہ ہے جو ایک یہودی سازش کے تحت وجود میں آیا، یہود کی اسلام دشمنی کسی پر مخفی نہیں قرآن نے بھی اس کی شہادت دی ہے۔

"لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیہود"

ترجمہ: ''یعنی آپ جن لوگوں کو مسلمانوں کے سب سے زیادہ دشمنی رکھنے والا پائیں گے وہ یہود ہیں''

تاریخ اسلام کا ایک ادنیٰ سا طالب علم بھی جانتا ہے کہ اسلام جب اپنے محسنین تلامذۂ نبوت، خلفائے راشدین کی وجہ سے بامِ عروج پر پہونچا، معلوم کرۂ ارضی کے چپہ چپہ پر چھا گیا، بڑی بڑی متمدن فارس و روم کی حکومتیں پیوند خاک ہو گئیں تو صیہونی اور استعماری طاقتیں اسلام کی اس آفاقی ہمہ گیر ترقی سے نہ صرف یہ کہ حیران بلکہ خوف زدہ ہو گئیں اور میدان کارزار میں بار بار شکست کھانے کے بعد ان کو یہ یقین ہو گیا کہ مسلح تصادم کے ذریعے اسلام کے سیلاب کو روکنا ممکن نہیں ہے تو کافی بحث و تمحیص اور اصلاح و مشورہ کے بعد یہ طے کیا گیا کہ اگر اسلام کے سیلِ رواں کو روکنا ہے تو پالیسی بدلنی ہوگی اور پالیسی یہ ہونی چاہیے کہ کسی بھی طریقہ سے اسلام کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا جائے اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا جائے اور ان کے عقائد کو مشکوک بنا دیا جائے، چنانچہ اس کام کے لیئے یمن کے شہر صنعاء کے ایک یہودی عبد اللہ بن سبا المعروف با بن سوداء کو منتخب کیا گیا، ابن سبا ایک یہودی عالم تھا جو صحابہ دشمنی، تعلیم نبوت سے بیزاری، خلفاء وفاتحین اسلام کی کردارکشی اور ملی منافرت پھیلانے میں ابن ابی رئیس المنافقین کا پورا وارث و جانشین تھا، اسی نے حب اہلبیت کے پرفریب نعرے سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کروایا، دورِ مرتضوی میں شدید خونریزی کروائیں، اسی کے پیروکار ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا، اتحاد ملت کے دشمن اسی کے حواریوں نے سبط پیغمبر حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مصالحت و بیعت کر لینے کی وجہ سے مذل المؤمنین، مومنوں کو روسیاہ کرنے والے اور ان کی ناک کٹوانے والے القابات سے نوازا، اسی بدبخت گروہ نے ریحانہ بتول حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کربلا بلا کر غداری سے شہید کیا اور قافلہ اہلبیت سے بددعائیں لیکر رونا، پیٹنا اپنا مذہب اور شعار بنالیا، عبداللہ بن سبا اور اس کی پیروکار ذریت کے اسلام سوز مسلم کش کارنامے تاریخ کی سب سے معتبر کتابوں کے علاوہ شیعہ جماعت کی علم اسماء الرجال کی کتابوں کے اندر صراحت کے ساتھ موجود ہے، اس نے اپنی پر تقیہ خفیہ تحریک سے محض صحابہ و اہلبیت کے قتل کا ہی کام نہ لیا بلکہ اسلام کے اساسی عقائد پر تیشہ چلایا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رب باور کرایا، امامت کا عقیدہ ایجاد کر کے ختم نبوت کا صفایا کیا، قرآن میں تحریف کی اور کمی بیشی کا نظریہ پیش کر کے اسلام کی جڑ کاٹ دی، سرمایۂ نبوت کو اجاڑ دینے کی کوشش کی، امہات المومنین، ازواج پیغمبر اور بنات طاہرات اور آپ کے سب

سسرالی اور خاندانی رشتوں کی عظمت کا انکار کر کے مقام اہل بیت کے نظریہ کو بھی تہس نہس کر دیا۔

دور حاضر کے اکثر شیعہ حضرات ابن سبا سے اپنی لاتعلقی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سراسر وہمی، خیالی اور افسانوی شخص ہے جس کا حقیقت کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں بلکہ شیعوں کی ذات کو مطعون کرنے اور ان کے عقائد پر نشتر چلانے کے مقصد سے سنیوں نے اس کو وجود بخشا ہے اور پھر اس کو "شیعیت کے مؤسس" کے حیثیت سے متعارف کرایا تا کہ لوگوں کو شیعوں اور اہل بیت کے عقائد سے دور رکھا جائے، مگر ہم ثابت کریں گے یہ محض افسانوی شخص نہیں بلکہ معتبر شیعی ائمہ جنھیں شیعوں کے وہاں بہت بڑا مقام و مرتبہ حاصل ہے ان کی کتابوں میں ابن سبا کی حقیقی سچائی اور اس کے وجود کو تسلیم کیا گیا ہے۔

اہل تشیع کا ایک بڑا امام جس کا نام امام قمی ہے جسے جماعت شیعہ میں خاص مقام و اہمیت حاصل ہے اس نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "المقالات والفرق" میں ابن سبا اور سبئیت کو موضوع گفتگو بناتے ہوئے لکھا ہے:

وہذه الفرق، تسمى السبئى، أصحاب عبد الله بن سبا و هو عبد الله بن وهب الراسبى الهمدانى، وساعد، على ذالک عبد الله بن حرصى و ابن اسود و هما من اجل، اصحاب، و كان اول من اظهر الطعن على ابى بكر و عمر و عثمان والصحابة وتبرأ منهم (المقالات والفرق: ص:۲۲)

"اس فرقہ کا نام سبئیہ ہے، جو عبد اللہ بن سبا المعروف عبد اللہ بن وہب الراسبی الھمدانی کے پیروکاروں کا گروہ ہے، اس مذہب کی تاسیس میں اس کے دو بڑے ساتھیوں عبد اللہ بن حرصی اور ابن اسود نے معاونت فراہم کی یہ (ابن سبا پہلا شخص ہے جس نے ابو بکر، عمر، عثمان اور باقی صحابہ پر لعن طعن کا آغاز اور ان سے براءت کا اظہار کیا"۔

شیعوں کے ایک دوسرے امام، امام نوبختی نے اپنی کتاب "فرق الشیعہ" میں ابن سبا کے متعلق یوں لکھا،،

و حكى جماع، من اهل العلم من أصحاب على، ان عبد الله بن سباء كان يهوديا فاسلم، و والى عليا و كان يقول وهو على يهوديت، فى يوشع بن نون بعد موسى بهذه المقال، فقال فى اسلام، اى بعد ان اسلم عبد الله بن سباء، قال فى اسلام، بعد وفا، النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى على بمثل ذالک" (فرق الشيعه: ص:۲۲)

"علی کے اصحاب میں سے اہل علم کی ایک جماعت کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن سبا یہودی تھا، دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس نے علی سے محبت کا اظہار کیا، چنانچہ جن دنوں وہ یہودیت پر قائم تھا تو وہ موسیٰ کے بعد یوشع بن نون کے متعلق جو دعویٰ کیا کرتا تھا بعینہ وہی دعویٰ اس نے اسلام قبول کرنے اور نبی کی وفات کے بعد علی کے بارے میں کہا"

اسی طرح عبد اللہ بن سبا کی حقیقت کو تسلیم کرنے والوں میں سے ابن ابی الحدید بھی ہے اس کا بیان ہے کہ ابن سبا ہی پہلا وہ شخص ہے جس نے علی کے زمانے میں غلو کو اختیار کیا چنانچہ اس نے شرح نہج البلاغۃ میں لکھا ہے:

وأول من جهر بالغلو فى ايام، اى فى ايام على بن طالب، عبد الله بن سباء، فقام الى، و يخطب، فقال له، انت، انت، وجعل يكررها، فقال ل، اى على بن ابى طالب، ويلک من انا؟ فقال، انت الله، فامره باخذه و اخذ قوم كانوا امع، على رائه۔

"علی بن طالب کے دور میں سب سے پہلے غلو کو علی الاعلان اختیار کرنے والا شخص عبد اللہ بن سبا تھا، یہ علی الاعلان علی بن ابی طالب کے خطبہ کے دوران کھڑا ہوا اور آپ سے کہنے لگا، تو ہے، تو ہے، بار بار وہی کلمات دہرانے لگا، تو آپ یعنی علی بن ابی طالب نے اس سے

دریافت فرمایا، تیری بربادی ہو! میں کون ہوں؟ تو اس نے کہا" آپ اللہ ہیں" چنانچہ آپ نے ابن سبا کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ان لوگوں کو بھی گرفتار کرلیا گیا جو اس کے ہم عقیدہ تھے“۔

امام نعمۃ اللہ الجزائری جو ایک مشہور شیعہ امام ہے وہ اپنی کتاب" الانوار النعمانیۃ" میں بن سبا کے متعلق یوں رقم طراز ہے:

وقیل یهودیا فاسلم ،اللهم ای : ابن سبا ان، کان یهودیا فاسلم، و کان فی الیهودی،یقول فی یوشع بن نون و فی موسی مثل ماقال فی علی۔ (الأنوار النعمانية: ج٢ص ٢٣٤)

”بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ابن سبا یہودی تھا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا، اللہ گواہ ہےکہ ابن سبا واقعۃً یہودی تھا جو بعد میں مسلمان ہو گیا اور وہ اپنے یہودیت کے دور میں یوشع بن نون اور موسی کے متعلق وہی کچھ کہہ چکا تھا جس کا اظہار اس نے علی کے متعلق کیا تھا“۔

یہ چار روایتیں ان معتبر اور متعدد مراجع کی کتابوں سے ماخوذ ہیں جن میں سے بعض کا تعلق اسماء الرجال سے ہے اور بعض کا تعلق فقہ وعقائد وفرق سے ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مراجع ہیں جن کو ہم نے یہاں ذکر نہ کیا اس ڈر سے کہ بحث طویل نہ ہوجائے بہر کیف ان ساری کتابوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عبد اللہ بن سبا کی ایک حقیقت ہے جس کے وجود کا انکار کرنا قطعاً ممکن نہیں، جن دلائل کو ہم نے یہاں ذکر کیا ان سے چند مندرجہ ذیل باتیں مستفاد ہوتی ہیں۔

(۱) عبد اللہ بن سبا ایک حقیقی شخص تھا ایک جماعت اس کی تائید کرنے والی تھی اور اس کے نظریہ کو قبول کرنے والی تھی

(۲) عبد اللہ بن سبا ایک یہودی شخص تھا جس نے ظاہر میں اسلام قبول کیا تھا لیکن حقیقت میں یہودیت پر ہی قائم تھا جس کے سہارے اس نے مسلمانوں میں یہودیت کے جراثیم پھیلائے۔

(۳) عبد اللہ بن سبا ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی شان میں زبان درازی کی، یہی وہ شخص ہے جس نے امیر المومنین حضرت علی کے امام ہونے کی بات کہی، اور یہ بھی کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصی ہیں یہ باتیں اس نے یہودیت سے اخذ کی تھیں اور اس نے جو کچھ بھی ہفوات بکے وہ سب بظاہر اہلبیت کی محبت اور ان کی حمایت میں بکے اور بزعم خود ان کے دشمنوں یعنی صحابہ کرام اور جو ان سے دوستی رکھے ان سے براءت کے جذبے میں کہا بہر کیف جو بھی ہوا تنے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ شیعہ جماعت اسی شخص کے باطل عقائد ونظریات کی پروردہ ہے کہ جو عقیدہ اور نظریہ اس شخص نے پیش کیا بعینہ وہی عقیدہ اور نظریہ آج کے اہل تشیع حضرات کا بھی ہے۔

ابتداءً لفظ شیعہ حمایتی اور طرفدار کے معنیٰ میں استعمال ہوا، حضرتِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے طرفداروں کو شیعانِ عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حمایتیوں اور بہی خواہوں کو شیعانِ علی کہا جاتا تھا اور یہ نظریاتی نہیں بلکہ سیاسی تقسیم تھی، ۳۹ھ میں کچھ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینے لگے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دیگر خرافات مثلاً وصی اور خلیفۃ الرسول اور امام کی معصومیت کا عقیدہ ان میں شامل ہو گیا بس یہی تھا شیعیت کا نقطۂ آغاز، شیعان عثمان نے جب دیکھا کہ شیعان علی کہلانے والے اپنے عقیدہ میں غلو کرنے لگے اور اسلام کی روح کے منافی عقیدے اختیار کرنے لگے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حمایتیوں نے خود کو شیعان عثمان کہنا بند کر دیا، اب میدان میں صرف شیعانِ علی رہ گئے، رفتہ رفتہ انہوں نے بھی اضافت کو ختم کر کے اپنے آپ کو مطلقاً شیعہ کہنا شروع کر دیا، غرض کہ اسلام کو جس قدر فرقہ شیعہ سے نقصان پہونچا ہے اور پہونچ رہا ہے کسی بدترین سے بدترین دشمن سے بھی نہیں پہونچا، آج تک امت مسلمہ اس نقصان کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔ (جاری)

□□□

واقعات کربلا کے بنیادی مصادر

کوثر امام قادری۔ خادم دارالعلوم قدوسیہ مہراج گنج

صحابی رسول حضور سیدنا معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما کے وصال کے بعد یزید بن معاویہ نے عنان حکومت سنبھالی اور چاروں طرف گورنروں کو عوام وخواص سے بیعت لینے کے لیے احکامات ومکتوبات جاری کیے۔ اس وقت مدینہ منورہ میں ولید بن عتبہ منصب گورنری پر فائز تھے، مکتوبات آنے کے بعد انھوں نے حضرت امام عالی مقام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو بلا کر وصال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خبر سنائی اور یزید کے نام پر بیعت کا مطالبہ کیا۔

حضرت امام آغوشِ مصطفی کے تربیت یافتہ تھے، سیدہ طیبہ طاہرہ کی گود کے پروردہ تھے، مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی سیرت وکردار کے مظہر تھے۔ آپ نے اپنی فراست ایمانی اور نور باطنی سے جان لیا کہ یزید جیسے آدمی کی بیعت کرنا روحِ اسلامی کے منافی ہے۔ لہٰذا آپ نے غور کرنے کی مہلت مانگی اور امن عام کے تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے مدینہ منورہ سے کوچ کرنے کا ارادہ کیا۔ گورنر ہاؤس سے گھر آئے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ مکہ مکرمہ کے ارادہ سے نکل پڑے۔ ولید بن عتبہ ایک نرم دل، نرم خو، بااخلاق آدمی تھے۔ آپ نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا اور حضرت امام باطمینان وسکون مکہ مکرمہ آ گئے۔

یہاں آنے کے بعد اہل کوفہ کی جانب سے بلاوا کے خطوط مسلسل آنے لگے، جب ان کے تقاضے بڑھے تو آپ نے کوفہ کے ارادے سے رخت سفر باندھا، لوگوں نے عزم سفر سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر امام نے کسی کی نہ سنی اور نکل پڑے جب کوفہ کے قریب پہنچنے والے تھے تو راستے ہی میں یزیدی اہل کاروں نے آپ کو کوفہ جانے سے روک دیا اور بجبر واکراہ کربلا نامی مقام پر ٹھہرایا۔ آپ کے ہمراہ بیوی، بچے، احباب ورفقا کی ایک مختصر جماعت تھی، جو نہ تو حربہ، ہتھیار، اسلحہ اور جنگی ساز و سامان سے لیس تھی اور نہ ہی جنگ کے ارادہ سے پہنچی تھی۔ یزید کی جانب سے مسلسل بیعت کا مطالبہ ہونے لگا اور آپ انکار کرتے رہے، بالآخر آپ کو نشانۂ تشدد بنایا گیا، طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالے گئے اور انتہائی سفاکی و بے دردی کے ساتھ آپ کو اور آپ کے اعوان وانصار کو جنگ کے لیے مجبور کیا گیا اور ۱۰ ارمحرم الحرام ۶۱ھ کو آپ کی شہادت ہوئی۔

اتنی بات پر مؤرخین اہل سنت، مؤرخین شیعہ و روافض، مؤرخین مستشرقین میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اصحابِ تقویٰ واولیائے کرام کی جماعت، فقہا و محدثین سب کے نزدیک یہ امر مسلم اور بلا شک وارتیاب مسلم حقیقت ہے۔

ہاں اس حادثہ فاجعہ، سانحۂ عظیمہ کی جزئی تفصیلات، جنگ کی منظرکشی، ظلم وستم کی داستان نگاری، چشم دید گواہ کی طرح

ہر ہر پہلو پر خامہ فرسائی، ہر ہر گوشہ پر قلم آرائی کرنے والے مصنفین و قلم کار حضرات کیا موقع واردات پر موجود تھے؟

ہرگز نہیں، بلکہ انھوں نے زبانی روایات پر اعتماد کیا اور بیان کرنے والوں نے جو کچھ بیان کیا، اسے قلم بند کرتے چلے گئے۔ جب کہ واقعات کربلا کی روایت کرنے والوں میں اچھے و بُرے، قابل بھروسہ ولائق رد ہر قسم کے راوی تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے، جو چند صحابہ کرام کو چھوڑ کر تمام صحابۂ کرام کو کافر گردانتے تھے۔ بعض وہ لوگ تھے، جو صحابہ کو کافر تو نہیں کہتے تھے، مگر ان کی عیب جوئی کے لیے کسی گوشے سے صرفِ نظر کرنا جرم عظیم تصور کرتے تھے۔ ان کے نزدیک اہانت صحابہ، شالب صحابہ، افرادِ بنوامیہ کی توہین کے لیے کذب بیانی و دروغ گوئی، دینی و مذہبی فریضہ تھا۔ ایسے لوگوں کو سبائی، رافضی، غالی شیعہ وغیرہ مختلف ناموں سے جانا جاتا ہے۔

ان ہی اچھے و بُرے ہر قسم کے راویوں کی جانب سے فراہم کردہ مواد کو جمع کیا گیا اور اس طرح ساری تفصیلات حیطۂ تحریر میں آتیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے نصف صدی گزرنے کے بعد اہل قلم نے اس کی طرف توجہ کی اور واقعاتِ کربلا لکھنے کا عمل شروع ہوا، جس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں میں شیعہ و روافض کی جماعت سر فہرست تھی، ان میں کچھ تو وہ تھے، جنھوں نے زبانی روایات پر اکتفا کیا اور کچھ وہ ہیں جنھوں نے زبانی روایات کے ساتھ قرطاس و قلم کا بھی سہارا لیا۔

یہاں ان ہی میں سے چند قلم کاروں کے احوال قدر تفصیل کے ساتھ حاضر خدمت ہیں:

(۱) ہشام بن محمد کلبی:

اسم گرامی: ابوالمنذر ہشام بن محمد بن سائب کلبی۔

آپ کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ آپ کا انتقال ۲۰۴ھ یا ۲۰۶ھ میں ہوا۔ (تاریخ بغداد، جلد ۱۴/ص ۶۵ / تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱/ص ۳۴۳/ سیر اعلام النبلا، جلد ۱۰/ص ۱۰۳)

آپ غالی قسم کے شیعہ رافضی تھے، جس کی صراحت باتفاق اہل علم نے کی ہے۔

امام ابن حبان نے فرمایا:

کان غالیا فی التشیع۔ (المجروحین ۳/ ۹۱)

وہ غالی قسم کا شیعہ تھا۔

امام ابن عسا کر نے فرمایا:

رافضی لیس بثقة۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۱۰۲)

وہ رافضی ثقہ نہیں۔

حافظ ذھبی نے کہا:

الرافضی النسابة۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱/ ۳۴۳)

وہ رافضی نسبوں کا جاننے والا ہے۔

ابن حبان نے فرمایا:

یروی العجائب والاخبار التیلا اصول لها واخباره فی الاغلوطات اشهر من ان یحتاج الی الاغراق فی وصفها۔ (المجروحین ۳/ ۹۱)

امام دارقطنی نے فرمایا:

متروک۔ (معجم الادباء ۱۹/ ۲۸۷)

وہ متروک ہے۔

علمائے شیعہ کے نزدیک ان کی بڑی اہمیت ہے، شیعہ مؤرخ نجاشی نے ان کی تعریف میں یوں لکھا:

المشهور بالفضل والعلم وکان یختص بمذهبنا۔

(رجال النجاشی جلد ۲/ ۳۹۹)

وہ علم و فضل میں مشہور اور ہمارے مذہب کے ساتھ خاص ہیں۔

روایات:

ان کی روایتی کتب شیعہ اور کتب اہل سنت دونوں میں پائی جاتی ہیں۔ خلیفہ ابن خیاط نے اپنی تاریخ میں ان پر اعتماد کیا، گو تاریخ خلیفہ کے مصادر میں سے ایک ان کی روایات بھی ہیں۔ تاریخ کے محقق نے مقدمہ میں لکھا ہے:

”اعتمد خلیفه علی ابن الکلبی فیما یتصل بعلاقات المسلمین بالروم, خلال عصر الراشدین والاموین فقداهتم الکلبی باخبار الخلفاء والف کتبا فی ذالک کما الف کتابا فی التاریخ ولعل المقتطفات التی اوردها خلیفه هی من هذاالکتاب“۔

(مقدمه کتاب تاریخ خلیفه ۲۰)

مؤرخ خلیفہ بن خیاط نے ابن کلبی پر اعتماد کیا، ان مباحث میں جو روم میں علاقۂ مسلمین سے متعلق ہیں، خلفائے راشدین اور سلاطین امویہ کے زمانے میں، کلبی نے اخبار خلفا کے بیان کا اہتمام کیا اور اس بابت کتابیں بھی تصنیف کی، جیسا کہ اس نے تاریخ میں کتاب لکھی اور شاید کہ خلیفہ ابن خیاط نے اسی کتاب سے اقتباس کیا۔

اہل سنت کے مشہور مؤرخ، صاحب طبقات کبریٰ نے اپنی طبقات میں بکثرت روایتیں ان سے لی ہیں۔ علامہ بلاذری نے اپنی کتاب تاریخ طبری میں ان کی روایتیں درج کی ہیں۔

ابوالفرج اصفہانی نے اپنی کتاب ”الاغانی“ اور ”مقاتل الطالبین“ میں ان کی روایتیں لی ہیں۔

محدث ابن جوزی نے اپنی کتاب ”المنتظم فی تاریخ الامم“ میں ان کی روایتیں لی ہیں۔

مشہور زمانہ شیعی تصنیف شرح نہج البلاغۃ کے مصادر میں سے ایک اہم مصدر ہشام بن محمد کلبی کی روایت ہیں۔

تصنیفات:

آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا:

بلغت کتبه کما عدها ابن الندیم فی الفهراست ماۃ واربعة واربعین کتابا۔ (لسان المیزان ۶/۱۹۶)

اس کی کتابوں کی تعداد ایک سو چوالیس تک پہنچی ہوئی ہیں، جیسا کہ ابن ندیم نے اپنی فہرست شمار کرائی ہے۔

آپ کی حسب ذیل کتابیں اہانت صحابہ کرام پر مشتمل ہیں:

(۱) کتاب مقتل عثمان (۲) کتاب مثالب الصحابہ (۳) کتاب مثالب بنی امیہ (۴) کتاب مثالب ثقیف (۵) غرائب قریش و بنی ہشام۔

چوں کہ آپ کے دل و دماغ میں رافضیت رچی بسی ہوئی تھی، اس لیے آپ نے مشاجراتِ صحابہ کے عنوان پر الگ الگ مستقل کتابیں لکھیں، جن سے عظمت صحابہ پر نکتہ چینی کی راہ ہموار ہو سکے اور بعد والوں کو صحابہ کرام کے خلاف زبان درازی پر دلیلیں فراہم ہو سکیں، مثلاً:

(۱) کتاب الجمل (۲) کتاب صفین (۳) کتاب الحکمین (۴) کتاب مقتل حجر بن عدی۔

اس طرح اور بھی متعدد کتابیں آپ کی تصنیفات میں شمار کی گئی ہیں، لیکن یہاں جس کتاب کو بطور خاص ذہن میں رکھنا چاہیے وہ ہے کتاب ”مقتل الحسین“ اس کتاب میں آپ نے واقعاتِ کربلا کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس میں جس قدر ممکن ہو سکا نمک مرچ ملانے سے گریز نہیں کیا، یہ جھوٹ سچ

کا پلندہ واقعاتِ کربلا کے لیے بنیادی مصادر میں شمار ہوتا ہے۔

(۲) جابر الجعفی:

ابو عبد اللہ جابر بن یزید بن حارث الجعفی، یہ کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ ۱۲۸ھ یا ۱۲۷ھ میں انتقال کیا۔ آپ غالی قسم کے شیعہ، رافضی اور عبد اللہ بن سبا کے پیروکار تھے۔

امام زائدہ بن قدامہ نے فرمایا:

اما جابر الجعفی فکان واللہ کذابا یؤمن بالرجعۃ۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال، جلد ۲/۵۲۸)

لیکن جابر جعفی تو واللہ وہ جھوٹا رجعت پر ایمان رکھتا تھا۔

نیز فرمایا:

رافضی یشتم اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(تہذیب الکمال ۴/۴۶۸)

وہ رافضی اصحاب رسول کو گالیاں بکتا تھا۔

جریر بن عبد الحمید نے فرمایا:

کان یؤمن بالرجعۃ۔ (تہذیب الکمال ۴/۵۴۴)

وہ رجعت پر ایمان رکھتا تھا۔

ابن عیینہ نے فرمایا:

کان یؤمن بالرجعۃ۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ۲/۵۴۰)

وہ رجعت پر ایمان رکھتا تھا۔

نیز فرمایا:

کان یقول (جابر) علی دابۃ الارض۔

(میزان الاعتدال ۱/۳۸۴)

وہ کہتا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ دابۃ الارض ہیں۔

امام عجلی نے فرمایا:

کان یغلو فی التشیع۔ (معرفۃ الثقات ۱/۲۶۴)

وہ شیعیت میں غلو کرتا تھا۔

امام ابن حبان نے فرمایا:

کان سبیئا من اصحاب عبد اللہ بن سبا و کان یقول ان علیا یرجع الی الدنیا۔ (المجروحین جلد ۱/۲۰۸)

وہ عبد اللہ ابن سبا کے اصحاب میں سے تھا، وہ کہتا تھا کہ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ دنیا کی طرف پلٹ کر آئیں گے۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا:

رافضی۔ (تقریب التہذیب نمبر ۸۷۸)

وہ رافضی ہے۔

بعض علمائے اہل سنت نے ان کو ثقہ بھی کہا، لیکن تمامی شیعہ اس کی توثیق کرتے ہیں۔

غضائری نے کہا:

ثقۃ فی نفسہ۔ (جامع الرواۃ ۱/۱۴۴)

وہ فی نفسہ ثقہ ہے۔

حلی نے رجال ثقات میں شمار کیا ہے۔ (رجال الحلی ۳۵)

المامقانی نے کہا:

ثقۃ جلیل۔ (خلاصۃ تنقیح المقال ۲۴)

وہ عظیم ثقہ ہے۔

روایات:

امام طبری نے اپنی تاریخ طبری میں اس کی متعدد روایتیں لی ہیں۔

تصنیفات:

اس نے حسب ذیل کتابیں تصنیف کی تھیں:

(۱) کتاب الجمل (۲) کتاب صفین (۳) کتاب

الفضائل (۴) کتاب مقتل امیر المومنین۔

ان کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں لیکن اس کی کتاب ''مقتل الحسین'' واقعاتِ کربلا پر مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۳) نصر بن مزاحم:

ابو الفضل نصر بن مزاحم المنقری، یہ کوفہ کے رہنے والے تھے، لیکن بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

تشیع میں حد سے تجاوز کر چکے تھے، گویا کہ غالی قسم کے رافضی تھے۔

امام عقیلی نے کہا:

کان یذھب الی التشیع۔

(الضعفاء الکبیر جلد ۴/۳۰۰)

انھوں نے راہِ تشیع اختیار کیا تھا۔

ابراہیم بن یعقوب جوزجانی نے کہا:

نصر بن مزاحم العطار کان زائغا عن الحق مائلا۔

(احوال الرجال ۸۲)

جوزجانی کے قول کی تشریح کرتے ہوئے خطیب بغدادی نے کہا:

اراد بذالک غلوہ فی الرفض، کما قال ابو الفتح ھو غال فی مذھبہ۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۳/۲۸۳)

انھوں نے اس سے اس کا رفض میں غلو مراد لیا ہے، جیسا کہ ابو الفتح نے فرمایا کہ وہ اپنے مذہب میں غال تھے۔

حافظ ذہبی نے کہا:

ھو رافضی جلد۔ (میزان الاعتدال ۴/۲۵۳)

وہ خطرناک قسم کا رافضی ہے۔

امام عجلی نے کہا:

کان رافضا غالیا۔ (لسان المیزان ۶/۱۵۷)

وہ غالی قسم کا رافضی تھا۔

ابو حاتم رازی نے فرمایا:

واھی الحدیث، متروک الحدیث، لا یکتب حدیثہ۔ (الجرح والتعدیل ۸/۴۶۸)

وہ واہی الحدیث، متروک الحدیث ہے، اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی۔

امام عقیلی نے کہا:

فی حدیثہ اضراب و خطاء کثیر۔

(الضعفاء الکبیر ۴/۳۰۰)

اس کی روایات میں اضطراب اور ڈھیر غلطیاں ہیں۔

ابن عدی نے کہا:

عامۃ احادیثہ غیر محفوظۃ۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ۷/۲۵۰۲)

اس کی عام حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔

ابو خیثمہ نے کہا:

ھو کان کذابا۔ (میزان الاعتدال ۴/۲۵۴)

وہ جھوٹا تھا۔

یہ علمائے شیعہ کے نزدیک بہت محترم اور ثقہ ہیں، ابن ابی الحدید نے ان پر بھرپور بھروسہ کیا ہے۔

شیعہ مؤرخ نجاشی نے کہا:

مستقیم الطریقۃ، صالح الامر۔

(رجال النجاشی ۲/۳۸۴)

وہ سیدھی راہ چلنے والا اور اچھے معاملات والا ہے۔

ابن ابوالحدید نے کہا:

ثقۃ، ثبت صحیح النقل، غیر منسوب الی ھول ولا ادغال وھو من رجال اصحاب الحدیث۔

(شرح نہج البلاغۃ ۲/۲۰۶)

وہ ثقہ، ثبت صحیح النقل ہے، وہ خواہشات وفساد کی طرف منسوب نہیں اور اصحاب حدیث کے رجال میں سے ہے۔

المامقانی شیعہ نے کہا:

حسن (خلاصۃ التنقیح المقال ۱۵۸)

حسن ہے۔

روایات:

امام طبری نے اپنی کتاب تاریخ طبری میں چند روایتیں لی ہیں، جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی کی گئی ہے۔

تصنیفات:

عظمت صحابہ کے خلاف اور شان صحابہ کرام میں گستاخیوں پر مشتمل اس کی حسب ذیل کتابیں ہیں:

(۱) کتاب الغارات (۲) کتاب الجمل (۳) کتاب الصفین (۴) کتاب المقتل حجر ابن لوی، ان کے علاوہ حادثۂ کربلا اور شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ پر اس کی کتاب مقتل الحسین ابن علی ہے۔

(۴) الثقفی:

ابوالاسحاق ابراہیم بن محمد بن سعید بن ہلال ثقفی، یہ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ کتاب ''المناقب والمثالب'' کی تصنیف کے سبب اصبہان کی طرف ہجرت کی اور وہیں ۲۸۰ھ یا ۲۸۳ھ میں فوت ہوا۔ (لسان المیزان ۱/۱۰۲)

یہ غالی قسم کا رافضی ہے۔ اس نے اہانت صحابہ پر مشتمل کتابیں لکھی ہیں۔

ابونعیم اصفہان نے فرمایا:

کان غالیا فی الرفض ترک حدیثہ۔

(لسان المیزان ۱/۱۰۲)

وہ رفض میں غلو کرنے والا تھا، اس کی حدیثیں چھوڑ دی گئی تھیں۔

نجاشی شیعہ نے کہا:

''انہ کان زید'' یا ''واصبح امامھا''۔

(رجال النجاشی ۱/ص۹۰)

تصنیفات:

اس نے اپنے نظریات کی ترجمانی کے لیے متعدد کتابیں تالیف کی ہیں۔ ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

(۱) کتاب الثقیفہ (۲) کتاب صفین (۳) کتاب الحکمین (۴) کتاب مقتل علی (۵) کتاب المناقب والمثالب (۶) کتاب مقتل عثمانی وغیرہ۔

اس کے علاوہ واقعات کربلا پر اس کی تصنیف ''کتاب مقتل حسین'' ہے۔

(۵) محمد ابن زکریا غلابی

ابوعبداللہ محمد بن زکریا بن دینار مولا بنی غلاب، بصرہ کا رہنے والے ہیں۔ ۲۹۸ھ میں وفات پائی۔ علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ وضع وکذاب اور افترا کرنے والے ہیں۔ جب کہ علمائے شیعہ کے نزدیک مستند ومعتبر ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا:

قال ابو احمد بن ابی عشار کان یکذب علی سائر الناس۔ (لسان المیزان ۵/۴۲۸)

ابواحمد عشار نے فرمایا: وہ تمام لوگوں پر افترا کرتا تھا۔

امام دار قطنی نے فرمایا:

یضع الحدیث۔ (الضعفاء والمتروکین ۳۵۰)

وہ حدیث گڑھتا تھا۔

امام ابن مندہ نے فرمایا:

تکلم فیه۔ (میزان الاعتدال ۵۵۰/۳)

اس کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔

حافظ ذہبی نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے:

(المغنی فی الضعفاء ۵۸۱/۲)

علمائے شیعہ میں سے نجاشی نے ان کی تعریف کرتے ہوئے لکھا:

کان وجها من وجوہ اصحابنا بالبصرة

وانه کان واسع العلم صنف کتبا کثیرۃ

(رجال النجاشی ۲۴۰/۲)

وہ بصرہ میں ہمارے اصحاب قائدین میں سے ایک ہے۔وہ وسیع علم والا ہے کثیر کتابیں تصنیف کی ہیں۔

تصنیفات:

دیگر علمائے شیعہ و روافض کی طرح انھوں نے بھی ان حوادثات و واقعات پر کتابیں تصنیف فرمائیں جن کے بیان میں عظمت صحابہ کے خلاف باتیں ملانے کی گنجائش نکلتی ہے، یا نکالی جاسکتی ہے۔

(۱) کتاب الجمل (۲) کتاب الصفین (۳) کتاب مقتل امیر المومنین علی بن ابی طالب (۴) کتاب الحرہ۔

ان کے علاوہ واقعۂ کربلا پر آپ نے کتابیں مقتل الحسین بن علی لکھی جو روافض اور شیعہ کے یہاں احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

روایات:

مسعودی نے اپنی تاریخ میں اور ابو الفرج اصفہانی نے اپنی کتاب ''الاغانی'' میں ان کی متعدد روایتیں کی ہیں۔

ابومخنف:

ابومخنف لوط بن یحییٰ بن سعید بن مخنف ازدلی، اہل کوفہ سے ہے۔ ان کے دادا مخنف بن سلیم صحابہ میں سے ہیں، ابو مخنف کا وصال ۱۵۷ھ میں ہوا۔

تاریخی روایات اور بالخصوص مشاجرات صحابہ کے باب میں واہی تباہی روایات کی جمع وتالیف میں آپ یکتائے روزگار ہیں۔ائمہ اہل سنت نے بالاتفاق آپ کی تضعیف کی ہے۔جب کہ علمائے شیعہ کے نزدیک عظیم شیخ وثقہ تصور کیے جاتے ہیں۔

امام ابوحاتم رازی نے فرمایا:

ابو مخنف متروک الحدیث۔

(الجرح والتعدیل ۱۸۲/۷)

ابومخنف متروک الحدیث ہے۔

ابن معین نے فرمایا:

لیس بثقة ولیس بشیء۔

(تاریخ یحیی بن معین ۵۰۰/۲)

وہ ثقہ نہیں، وہ کوئی چیز نہیں۔

ابن معین کے اس قول پر حاشیہ لگاتے ہوئے ابن عدی فرماتے ہیں:

وهذا الذی قاله ابن معین یوافقه علیه الائمة۔

(الکامل لابن عدی ۲۱۱۰/۶)

یہ جو کچھ امام ابن معین نے فرمایا ائمہ کرام نے اس پر ان کی موافقت کی ہے۔

ابن عدی نے فرمایا:

شیعی محترق۔ (الکامل ۲۱۱۰/۶)

یہ دل جلا شیعہ تھا۔

امام دارقطنی نے فرمایا:

لوط بن یحییٰ الکوفی ابو مخنف اخباری ضعیف۔ (الضعفاء والمتروکین ۳۳۳)

لوط بن یحییٰ خبریں بیان کرنے والا ضعیف ہے۔

حافظ ذہبی نے کہا:

لوط بن یحییٰ ابو مخنف متروک۔

(دیوان الضعفاء والمتروکین ۲۵۹)

لوط بن یحییٰ متروک ہے۔

نیز فرمایا:

اخباری تالف لا یوثق به۔

(میزان الاعتدال ۲۹۹۲/۳)

وہ جوڑ توڑ کر خبریں بیان کرنے والا ہے، اس کی توثیق نہیں کی جاتی ہے۔

نیز فرمایا:

ساقط۔ (المغنی فی الضعفاء ۵۳۵/۲)

ساقط ہے۔

نیز فرمایا:

یروی عن طائفة من المجهولین۔

(سیر اعلام النبلاء ۳۰۱/۷)

وہ مجہول راویوں کی ایک جماعت سے روایت کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا:

لوط بن یحییٰ ابو مخنف اخباری تالف لا یوثق به ترکه ابو حاتم وغیره۔ (لسان المیزان ۴۹۲/۴)

لوط بن یحییٰ جوڑ جوڑ کر خبریں بیان کرنے والا ثقہ نہیں۔

علی بن محمد کنانی نے فرمایا:

لوط بن یحییٰ کذاب تالف۔ (تنزیه الشریعه ۹۸)

لوط بن یحییٰ جھوٹا توڑ جوڑ والا ہے۔

امام زبیری نے فرمایا:

اخباری شیعی تالف متروک۔

(تاج الفروس ۱۰۵/۶)

وہ خبر بنانے والا شیعہ متروک ہے۔

علمائے شیعہ کے نزدیک یہ ثقہ ہے۔

نجاشی شیعہ نے کہا:

ابو مخنف شیخ اصحاب الکوفه۔

(رجال النجاشی ۲۴۵)

ابو مخنف اصحاب کوفہ کے شیخ ہیں۔

خوئی شیعہ نے کہا:

ثقة۔ (معجم رجال الحدیث ۱۳۸/۱۴)

وہ ثقہ ہیں۔

عباس قمی نے لکھا:

کان ابو مخنف من اعاظم مورخی الشیعه وان کتابه مقتل الحسین قد نقل منه اعاظم العلماء المتقدمین واعتمدوا علیه۔

(الکنی والالقاب ۱۵۵/۱)

ابو مخنف عظیم شیعہ مورخین میں سے ہیں، اور ان کی کتاب مقتل الحسین سے عظیم علمائے متقدمین نے نقل کیا اور اس پر بھروسہ کیا۔

تصنیفات:

یہ کثیر التصانیف ہے، تقریباً سنتالیس سے زائد کتب و رسائل تصنیف کی ہے، بنوامیہ کی مذمت اور مشاجرات صحابہ کے عنوان پر جس قدر اس سے ممکن ہوسکا واہی تباہی فرضی و من گھڑت روایات کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔

اس کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

(۱) کتاب حکمین (۲) کتاب جمل (۳) کتاب صفین (۴) کتاب مقتل حجر بن عدی (۵) کتاب مقتل علی (۶) کتاب مقتل الحسن (۷) کتاب الشوری و مقتل عثمان۔ ان کے علاوہ اس کی کتاب مقتل الحسین واقعۂ کربلا پر شیعہ کے نزدیک بہت معتبر مانی جاتی ہے۔

(۷) اصبغ بن نباتہ

اصبغ بن نباتہ تیمی حنظلی مجاشعی اصحاب علی رضی اللہ عنہ میں سے ہیں۔ ۱۰۱ھ میں فوت ہوئے۔

علمائے شیعہ کا خیال ہے کہ سب سے پہلے آپ نے واقعۂ کربلا پر کتاب تصنیف کی۔ آپ کے ضعف پر علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے، جب کہ علمائے شیعہ آپ کو فاضل و ثقہ مانتے ہیں۔

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:

لیس بثقة۔ (تاریخ یحییٰ بن معین ۲/۴۲)

وہ ثقہ نہیں۔

امام نسائی نے فرمایا:

متروک الحدیث۔ (الضعفاء والمتروکین ۵۸)

وہ متروک الحدیث ہے۔

امام دارقطنی نے فرمایا:

منکر الحدیث۔ (الضعفاء والمتروکین ۱۵۶)

وہ منکر الحدیث ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

متروک۔ (تقریب التهذیب ترجمہ ۵۳۷)

وہ متروک ہے۔

علمائے شیعہ نے آپ کی توثیق کی ہے۔

مامقانی نے کہا:

ثقة علی الاظهر۔ (خلاصة تنقیح المقال ۱۷)

ظاہر یہی ہے کہ وہ ثقہ ہیں۔

مفید شیعہ نے کہا:

اصبغ بن نباتة کان فاضلا۔ (الاختصاص ۶۵)

اصبغ بن نباتہ صاحب فضیلت ہیں۔

تصنیفات:

ان کی صرف ایک تصنیف کا ذکر ملتا ہے اور وہ ہے کتاب ''مقتل الحسین'' علمائے شیعہ کا دعویٰ ہے کہ یہ سب سے پہلی تصنیف واقعۂ کربلا پر ہے اور اس کو وہ لوگ مستند بھی مانتے ہیں۔ تاریخ طبری سے پہلے واقعات کربلا پر جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں سے چند کا ذکر ہوا۔ ان کے مصنفین نے کتاب بھی لکھی اور حادثۂ کربلا سے متعلق اپنی معلومات بھی دوسروں تک پہنچائی۔ اب ان لوگوں کے تذکرہ کا مناسب مقام ہے، جنھوں نے اس عنوان پر کوئی کتاب یا رسالہ تو نہیں لکھا، مگر حادثۂ کربلا کی روایات کی منتقلی میں اہم کردار ادا کیا۔ نیز ہر واقعہ کو اپنے عقیدہ کے رنگ میں بیان کیا۔

□□□

کثرت طلاق کی وجوہات اوران کا شرعی حل

ابوالاختر مفتی مشتاق احمد امجدی
ازہری دارالافتا، ناسک

اسلام کا منشا یہ ہے کہ جب ایک مسلم جوڑا رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوتو ہر ممکن نباہ کی کوشش کی جائے ،میاں بیوی نکاح کی گرہ میں قائم رہ کر نکاح کے دینی ودنیاوی فوائد ومصالح حاصل کریں،اللہ ورسول کی رضا کے طالب ہوکر ایک باوقار اور کامیاب زندگی گذاریں اور ہر اس چیز سے اجتناب و پرہیز کریں جس سے اس رشتہ میں کسی قسم کی کمزوری اور خلل پیدا ہواور نکاح کے مصالح وبرکات سے محرومی ہاتھ آئے البتہ جب کسی طرح اس پاکیزہ رشتہ میں کجی پیدا ہوجائے اور میاں بیوی میں نااتفاقی اور ناچاقی بڑھنے لگے خواہ یہ نااتفاقی مرد کی جانب سے ہو یا عورت کی طرف سے، جہاں تک ہوسکے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کو دور کیا جائے اور اگر کسی طرح اس کی اصلاح ممکن نہ ہواور ایسی صورت میں خطرہ ہو کہ اگر بدستور رشتۂ نکاح میں بندھے رہے تو یہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے اور نکاح کے مقاصد فوت ہوجائیں گے تو ان کی عدم موافقت اور باہمی نفرت کے باوجود ان کو نکاح میں رہنے پر مجبور کرنا بھی اسلام کو پسند نہیں ،ایسی صورت میں مرد وعورت ،ان کے رشتہ داروں اور معاشرہ کے دیگر افراد کی بہتری اور مصلحت اسی میں ہے کہ عقد نکاح کو باقی نہ رکھا جائے۔

اگر منافرت عورت کی طرف سے ہوتو اللہ عزوجل نے اس کی اصلاح کے درج ذیل رہنما اصول عطا فرمائے ہیں،اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَاتَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلاً۔[سورۂ نساء، آیت ۳۴]

اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمھیں اندیشہ ہوتو انہیں سمجھاؤ اور (نہ سمجھنے کی صورت میں) ان سے الگ سوؤ اور (پھر نہ سمجھنے پر) انہیں مارو پھر اگر وہ تمہارے حکم میں آجائیں تو (اب) ان پر زیادتی کی کوئی راہ نہ چاہو۔(کنزالایمان)

مذکورہ آیت کریمہ میں نافرمان بیوی کی اصلاح کے لیے تین انفرادی کوششوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اگر ان تینوں انفرادی کوششوں میں سے کسی کے ذریعے نافرمان بیوی فرماں بردار نہ ہوتو پھر اجتماعی طریقۂ اصلاح کی تعلیم کرتے ہوئے رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِھِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِنْ اَھْلِهٖ وَحَکَمًا مِنْ اَھْلِھَا اِنْ یُرِیْدَا اِصْلَاحاً یُوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْماً خَبِیْرًا[سورۂ نساء، ۳۵]

اور اگر تم کو میاں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہوتو ایک پنچ مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک عورت والوں کی طرف

سے یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کردے گا بے شک اللہ جاننے والا، خبردار ہے۔

اوپر ذکر کردہ دونوں آیات طیبات سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہوتا ہے کہ اگر میاں بیوی میں عداوت اور پھوٹ پڑ جائے تو اس کا حل صرف طلاق نہیں ہے بلکہ طلاق سے پہلے بھی اصلاح کے کئی طریقے ہیں جن کے ذریعہ نفرت محبت میں تبدیل کی جا سکتی ہے، ہاں اگر ان طریقوں سے بھی اصلاح نہ ہو سکے تو اب میاں بیوی میں تفریق وجدائیگی سے چارہ نہیں۔

معزز قارئین! مندرجہ بالا شرعی آداب معاشرت اور ازدواجی اصول وقوانین سے آپ پر بخوبی عیاں ہو چکا ہوگا کہ اسلامی نقطہ نظر سے طلاق ایک دفاعی نظام قدرت ہے جو صرف وقتِ ضرورت ہی استعمال کیا جا سکتا ہے ،اگر بلاضرورت طلاق دی جائے تو اگرچہ طلاق پڑ جائے گی مگر یہ قانونِ فطرت سے بغاوت ہوگی ،اس کے نقصانات سے دور چار ہونا پڑے گا ، جب تک معاشرہ کے افراد ورجال اللہ کے قانونِ فطرت پر عمل پیرا رہے وہ معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ، خیر وخوبی کا سرچشمہ اور فوز وفلاح کا مرکز بنا رہا، ایسے مثالی معاشرہ کے افراد کی عائلی زندگیاں ہمارے لیے صبح قیامت تک مشعل راہ اور نمونۂ عمل ہیں۔

لیکن آج حالات اس قدر ناگفتہ اور خستہ ہو چکے ہیں کہ عصر حاضر میں طلاق ایک فیشن اور کھیل بن چکا ہے، آئے دن طلاق کے قصے سننے میں آتے ہیں، طلاق کی کثرت کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ دارالافتا اور دارالقضا طلاق وخلع کے مسائل اور میاں بیوی میں تفریق وجدائی گی کے حوادثات واقعات میں سے بھرے پڑے ہیں، معمولی معمولی باتوں پر طلاق ہو جانا عام سی بات ہوگئی ہے، دن بدن طلاق کا یہ بڑھتا ہوا تناسب ہمارے لیے ایک بہت بڑا لمحۂ فکریہ اور تازیانہ عبرت ہے، ایسے سنگین حالات میں اس کے اسباب وعلل اور محرکات وعوامل تلاش کرنا اور ان کا شرعی ودینی حل پیش کرنا ہمارا ایمانی، اخلاقی اور معاشرتی وسماجی فریضہ ہے، ذیل میں تلاش وجستجو اور قیاس واستقرا سے چند اسباب وعوامل کی نشان دہی کی جاتی ہے اور ساتھ ہی ان کا شرعی حل بھی نذر قارئین کیا جاتا ہے، اصحاب نظر سے امید کی جاتی ہے کہ وہ اسے بنظر استحسان دیکھیں گے اور بے جا تنقید کا نشانہ بنانے سے گریز کریں گے اور اصلاح سے نوازیں گے اور فقیر کی طرف سے مشکور ہوں گے۔

(۱) اسلامی تعلیم وتربیت نہ ہونا

ہر قسم کی بھلائی اور ہر طرح کی فلاح وترقی صرف دینی تعلیم اور اسلامی تربیت پر موقوف ہے، دینی تعلیم وتربیت کے بغیر کسی قسم کی کامیابی پالینا ایک مشکل امر ہے، جہاں والدین اپنے بچوں کے ظاہر کو سنوارنے اور نکھارنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں اور ان کی ضروریات زندگی پورے کرنے میں خوب محنت کرتے ہیں وہیں ماں باپ کی یہ بھی بڑی اہم ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں کو دینی تعلیمات اور اسلامی اخلاق وآداب مثلاً کھانے پینے، ہنسنے بولنے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے وغیرہ کے آداب سے بھی روشناس کرائیں، بچوں کو سورہ مائدہ کی تعلیم اور بچیوں کو سورہ نور کی تعلیم دیں، خاص بیٹیوں کو شادی کے بعد شوہر کی اطاعت وفرمابرداری کی اہمیت بتائیں، بچوں کے دلوں میں خوف خدا، عشق رسول اور فکر آخرت راسخ ومضبوط

کریں تاکہ وہ جہاں کہیں رہیں ایک باوقار اور باکردار فرد کی حیثیت سے کامیاب زندگی بسر کریں، اولاد کی ناقص تربیت اور دینی ماحول میں ان کی پرورش نہ کرنے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ آج کا نوجوان طبقہ انگریزی تعلیم کے ساتھ انگریزی تہذیب میں بھی خوب ترقی کر رہا ہے اور دنیاوی رنگ رَلیوں میں اچھی طرح رنگتا چلا جاتا ہے، شادی تو خوب دھوم دھام سے کرتا ہے مگر شادی شدہ زندگی گذارنے کا صحیح طریقہ اور میاں بیوی کے حقوق وفرائض کا علم نہ ہونے کے سبب رشتۂ نکاح کی نزاکتوں کو نہیں سمجھ پاتے ہیں نتیجۃً زیادہ دنوں تک نکاح کے فوائد ومصالح حاصل نہیں کر پاتے اور پھر بہت جلد دونوں میں تفریق وجدائیگی ہوجاتی ہے، دورِجدید میں طلاق کی بہتات کا یہ سب سے بڑا اور بنیادی سبب ہے۔

(۲) ایک دوسرے کے حقوق پورے نہ کرنا

پیغمبر اسلام نے ایک پرامن معاشرہ کی تشکیل کے لیے جو رہنما اصول مقرر کیے ہیں ان میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سماج کے جملہ افراد کے حقوق معین فرما کر ان کی ادائیگی کی تاکید کرتے ہوئے یہ کلی ضابطہ ارشاد فرمادیا: "فاعطوا کل ذی حق حقه" یعنی ہر حق والے کو اس کا حق دو، جب تک پیغمبر اسلام کے اس پرامن قانون پر عمل ہوتا رہا سماج میں کسی قسم کی بے چینی وبدامنی پیدا نہ ہوئی، اور جب جب اس سے روگردانی کی گئی تب تب معاشرہ میں فساد و بگاڑ پیدا ہوا۔

اسلامی نقطۂ نظر سے میاں بیوں کے اوپر ایک دوسرے کے کچھ حقوق وفرائض ہیں جب تک دونوں خوش اسلوبی سے ایک دوسرے کے حقوق پورے کرتے رہیں گے زندگی میں تلخی پیدا نہ ہوگی، ہنسی خوشی سے پورا گھر روشن مستقبل کی طرف رواں دواں رہے گا، بہت سے مرد وعورت ایک دوسرے کے حقوق سے باخبر نہیں ہوتے اور بہتوں کو حقوق زوجین کا علم تو ہوتا ہے مگر اس کی ادائیگی میں سستی وکوتاہی کرتے ہیں، جس سے زندگی میں تلخیاں شروع ہوجاتی ہیں بلکہ بسا اوقات یہی تلخیاں میاں بیوی میں جدائیگی کا سبب بن جاتی ہیں، لہٰذا میاں بیوی کو اچھی طرح اپنے اوپر عائد ہونے والے حقوق جاننے چاہیے اور انہیں پوری دیانت داری سے ادا کرتے رہنے کی کوشش بھی کرنی چاہیے۔

(۳) ناجائز مطالبات

"بے جا مطالبات" عورتوں کی جانب سے پایا جانے والا بہت بڑا اور اہم سببِ طلاق ہے، یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ جس عورت کو چٹخارنے اور شوق اڑانے کی مذموم عادت ہو اور کھانے، پینے، پہننے اوڑھنے میں فضول خرچی کی لت لگی ہو ایسی عورت بار بار اپنے شوہر سے بے جا مطالبات کرتی ہے اور اس کے ناجائز مطالبات پورے نہ ہونے پر وہ عورت طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہوتی چلی جاتی ہے مثلاً کبھی اپنے خاوند کے مال میں خیانت وچوری کی مرتکب ہونا اور کبھی دوسروں سے قرض لے کر شوہر کو مقروض بنانا وغیرہ، ایسی عورت کی زبان پر سدا ناشکری کے الفاظ ہوتے ہیں اور شکوہ وشکایت اس کا عام شیوہ بن جاتا ہے نتیجۃً مرد اپنی بیوی کی ناشکریوں کی تاب نہ لاکر اس سے جدائیگی ہی میں عافیت سمجھتا ہے اور پھر بات طلاق تک پہونچتی ہے۔ اس لیے عورت کو ہمیشہ قناعت پسند، سلیقہ شعار، شوہر کے مال کا محافظ اور شوہر کی آمدنی کو مدنظر رکھ کر اخراجات کرنے والی ہونا چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس

ارشاد عالی شان سے واضح ہوتا ہے اللہ رب العزت جل وعلاارشادفرماتا ہے:

"فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللهُ"۔[سورۂ نسا، آیت ۳۴]

تو نیک بخت عورتیں ادب والیاں ہیں خاوند کے پیچھے حفاظت رکھتی ہیں جس طرح اللہ نے حفاظت کا حکم دیا

[کنزالایمان]

اور یہی سچ وحق ہے کہ جو عورت اپنی زندگی میں ان خوبیوں کو اپنائے گی اور بے جا مطالبات سے خود کو محفوظ رکھے گی وہ ہمیشہ خوش وخرم، شادوآباد اور شوہر اور اس کے اہل خانہ کی نظر میں محبوب ومقبول ہوگی، بلکہ اس کی زندگی اس معاشرہ کی دوسری عورتوں کے لیے نمونۂ عمل ہوگی۔

(۴)مرد سے بدزبانی کرنا

میاں بیوی میں کسی بات یا کسی چیز کو لے کر تکرار عام سی بات ہے اور فطری تقاضا بھی ،جس سے بچ پانا اور خود کو بچا لینا ممکن نہیں تاہم ایسے موقع پر ایک دوسرے کا ضد پر اتر آنا خصوصا بیوی کو اپنی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرنا اور شوہر سے بدزبانی کر بیٹھنا اور اس کے احترام وعظمت کا خیال نہ رکھنا نہایت مہلک اور خطرناک ہے جس سے ایک غیورو باحیا مرد سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے اور ایسی بدزبان عورت سے علاحدگی ہی میں عافیت سمجھتا ہے اور طلاق کی نوبت آتی ہے لہذا جب کبھی میاں بیوی میں کسی بات پر یا اور کسی سلسلے میں بحث وتکرار ہو تو عورت اپنی زبان پر کنٹرول رکھے، ادب وتہذیب کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑے اور ہر حال میں شوہر کی عزت نفس کا بھر پور خیال رکھے، بزرگوں سے منقول ہے کہ شادی شدہ عورت کے لیے صبر وضبط کامیابی اور سرخروئی کی ضمانت ہے۔

(۵)ایک دوسرے کے گھر والوں کی عزت نہ کرنا

ایک مثالی اور صالح معاشرہ کی بڑی علامت یہ ہے کہ اس میں چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم کی جائے، اسی کو حسن سلوک سے بھی تعبیر کرتے ہیں، حسن سلوک بندۂ مومن کا وہ اصلی اور حقیقی زیور ہے جس کی چمک ودمک سے مومن کی پوری زندگی جگمگاتی ہے، دینی ودنیاوی صلاح وفلاح اس پر مضمر ہے، پیغمبر اسلام نے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا** یعنی جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور (جو چھوٹا) بڑوں کی تعظیم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں یعنی ہمارے معاشرے سے نہیں ،بعض مرد وعورت حسن سلوک کی دولت سے محروم ہوتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے اہل خانہ، رشتہ دار اور اہل قرابت سے بدتہذیبی اور بے عزتی کا برتاؤ کرتے ہیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش نہیں آتے بسا اوقات یہی چیز دونوں میں جدائی کا سبب بن جاتی ہے، ایک اسلامی اور دینی معاشرہ کے افراد کو چاہیے کہ شفقت ورواداری کو لازم پکڑیں، بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت کریں تو یقیناً ہمارا گھر گھرانا خوشیوں سے لبریز ہوجائے گا اور ہم سب اس شعر کے حقیقی مصداق بن جائیں گے، کسی نے کیا ہی خوب کیا ہے: ؎

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

(۶)بدگمانی، شکوک وشبہات اور جاسوسی:

''بدگمانی اور جاسوسی''طلاق کے اسباب میں ایک اہم

ترین سبب ہے بعض مردوعورت اس کے سخت مرتکب ہوتے ہیں مثلاً بعض مرد اپنی عورت کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور بغیر شرعی ثبوت کے یہ سمجھتا ہے کہ میری بیوی کا شاید کسی دوسرے مرد سے کوئی ناجائز تعلق ہے اسی طرح اپنے خاوند کے متعلق عورت بدگمانی کرتی ہے اور شکوک وشبہات اور دوسروں کی سنی سنائی باتوں پر دھیان دیتی ہے جو اکثر وبیشتر طلاق کا سبب بن جاتا ہے جبکہ اسلام بدگمانی اور جاسوسی سے سخت اجتناب کی تاکید کرتا ہے اور کھلے الفاظ میں ان کی مذمت بیان کرتا ہے۔ چناں چہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَاتَجَسَّسُوْا [سورۂ حجرات، آیت ۱۲]

یعنی اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو بیشک کوئی گمان گناہ ہوجاتا ہے اور عیب نہ ڈھونڈھو (کنزالایمان)

پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث۔

[بخاری شریف]

خود کو بدگمانی سے بچاؤ کیوں کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہوتا ہے۔

غرض کہ میاں بیوی کے خوش گوار تعلقات اور ایک دوسرے کی شادی شدہ کامیاب زندگی کے لیے ہر ایک کا دوسرے پر کامل اعتماد اور مکمل بھروسہ کرنا از حد ضروری ہے ورنہ اس کے ہولناک انجام سے ایک دوسرے کو سخت دوچار ہونا پڑے گا جیسا کہ عام مشاہدہ ہے۔

(۷) والدین کی بے جا محبت

والدین کو اپنی اولاد سے محبت ہونا ایک فطری بات ہے لیکن ہر کام کی طرح اس میں بھی میانہ روی اور اعتدال اسلام کو محبوب وپسندیدہ ہے، افراط وتفریط نقصان اور خسارے کے موجب ہیں، بعض والدین شادی کے بعد اپنی بیٹی سے حد درجہ محبت کرتے ہیں اور اسی محبت میں یہ سبق بھی پڑھاتے ہیں کہ دیکھ سسرال میں کسی کے ماتحت یا کسی کی نوکرانی بن کر مت رہنا بلکہ اپنے خاندانی رعب ودبدبہ کے ساتھ رہنا اور اگر کسی قسم کی کوئی بات ہو تو فوراً اس کی اطلاع دینا پھر دیکھنا ہم ان کا کیا کرتے ہیں اس طرح اول دن سے ہی اپنی بیٹی کو جری اور بہادر بنا کر بھیجا جاتا ہے اور پھر جب معمولی سی کوئی بات ہوتی ہے تو بیٹی فوراً اس کی اطلاع اپنے والدین کو دیتی ہے جس کے سبب لڑکی کے والدین اپنے داماد اور اس کے اہل خانہ پر اپنا بے جا رعب دکھاتے ہیں، بعض بے توفیق ماں باپ اپنی لڑکی کو بھاگ کر گھر آجانے کا مشورہ بھی دیتے ہیں اس طرح جب ایک مرد اپنے سسرال والوں کی بے اعتدالی اور اپنی اور اپنے اہل خانہ کی بے عزتی محسوس کرتا ہے تو ناچاہتے ہوئے بھی وہ طلاق دے بیٹھتا ہے۔ لہذا ہر والدین کو چاہیے کہ اپنی بیٹی سے محبت کریں اور ضرور کریں لیکن اعتدال کی حد تک، اس سے تجاوز نہ کریں ورنہ آپ کی بے اعتدالی کی وجہ سے آپ کی بیٹی کا گھر اجڑ سکتا ہے جس سے نہ صرف آپ کی بیٹی کا سکون غارت وبرباد ہوگا بلکہ آپ بھی دورنہ ہونے والی پریشانی میں مبتلا ہوں گے، ہمارے سماج میں اس قسم کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ ”فاعتبروا یااولی الابصار“

(۸) بیوی کے مناسب اخراجات پورے نہ کرنا

اللہ تعالیٰ نے فطرۃً عورت کو صنف نازک اور مرد کو

طاقت وراور توانا بنایا ہے اور اسی فطرت کے مطابق ہر ایک پر الگ الگ ذمہ داری عطا فرمائی ،عورتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اندرون خانہ کے امور کی دیکھ بھال کریں، بچوں کی پرورش و پرداخت پر کامل دھیان دیں اور مرد کو یہ ڈیوٹی دی گئی ہے کہ حلال مال کما کر خود اپنی اور بیوی بچوں کی کفالت کرے،اپنی حیثیت کے مطابق ان کے مناسب کھانے پینے، پہننے اوڑھنے میں اپنا مال خرچ کرے اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔

[سورۂ نسا، آیت ۳۴]

یعنی مرد افسر ہے عورتوں پر اس لیے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس لیے کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے[کنز الایمان]

سنن ابوداؤد میں ہے:

”عن معاوية قال :اتيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال قلت ياتقول فى نسائنا قال:اطعموهن مماتاكلون واكسوهن مماتكتسون“

یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ یا رسول اللہ!صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ ہماری بیویوں کے حقوق کے بارے میں کیا فرماتے ہیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کھاؤ تو اس کو کھلاؤ اور جب تم پہنو تو اس کو پہناؤ۔

[ابوداؤد شریف، کتاب النکاح، باب فی حق المراۃ علی زوجھا، ج:۱،ص:۲۹۲]

مگر کچھ ناعاقبت اندیش مرد تنہا خوری کے عادی ہوتے جو صرف اور صرف اپنے اوپر خرچ کرتے ہیں، بیوی بچوں کے اخراجات کا مناسب بندوبست نہیں کرتے، ہزار فہمائش کے باوجود جب ایسا مرد اپنی اصلاح نہیں کرتا تو عورت اس سے جدائیگی پر آمادہ ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات جدائیگی واقع ہوجاتی ہے۔ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی ذمہ داری کا احساس کریں اور اپنے اوپر خرچ کرنے کے ساتھ اپنے اہل وعیال پر بھی حسب استطاعت خرچ کریں اور تنہا خوری کی مذموم عادت کو ترک کریں۔

(۹)طعنہ زنی

انسان خطا کا پتلا ہے اسی لیے انسان ہی سے غلطی ہوتی ہے، کسی کی غلطی پر اس کی مناسب اصلاح ہونی چاہیے مگر بہت سے مردوں اور عورتوں کو بات بات پر ایک دوسرے کو طعنہ دینے کی عادت سی ہوجاتی ہے،طعنہ دینا وہ مذموم عادت ہے جو بہت بار انتہائی مہلک اور خطرناک ثابت ہوتی ہے، بہت سے حریص اور لالچی شوہر اور بسا اوقات شوہر کے اہل خانہ سامان جہیز کم ملنے پر اس قدر لعن طعن کرتے ہیں کہ عورت کا جینا دوبھر ہوجاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ اس نے سامان جہیز سے شادی کی ہو یا سامان جہیز کے لیے ہی پروان چڑھا ہو، ایسے میں ایک عورت سکون کی سانس لینے کے لیے علاحدگی اختیار کرلیتی ہے اور دونوں کا گھر اجڑ جاتا ہے،لہٰذا ہر مرد وعورت کو چاہیے کہ طعنہ زنی کے نقصانات سے بچنے کے لیے،عفو ودرگذر اور حسن اخلاق کا مظاہرہ کریں خصوصاً مرد کے اہل خانہ اس پر کامل توجہ دیں۔

(۱۰) بیوی کو بے سبب زدوکوب کرنا

پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو مارنے پیٹنے اور کسی بھی قسم کی تکلیف پہنچانے سے منع فرمایا اور ایسے لوگوں کو ''برے لوگ'' قرار دیا، خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لیے نمونہ ہے کہ آپ نے کبھی اپنی بیویوں میں سے کسی پر کبھی اپنا ہاتھ نہیں اٹھایا ہاں مخصوص صورتوں میں بیوی کو بغرض اصلاح معمولی پٹائی کی اجازت ہے مگر کچھ ناہجار مرد اس قدر ظالم وجابر، اخلاق ومروت سے عاری اور نفس کے غلام ہوتے ہیں جو بات بات پر اپنی بیوی کو تختۂ مشق بناتے ہیں، خوب زدوکوب کرتے ہیں اور ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے ہیں لاچار عورت مجبور ہوکر اس سے علاحدگی حاصل کر لیتی ہے، جولوگ بے جا اپنی بیوی پر ہاتھ اٹھاتے ہیں انہیں اس حدیث شریف سے سمجھ حاصل کرنی چاہیے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم نے فرمایا:

''لایجلداحدکم امرأته جلدالعبدثم یمجامعها فی آخر الیوم ''[بخاری شریف ، کتاب النکاح ،باب مایکره من ضرب النساء، ج۲، ص۱۸۴]

یعنی تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو اس طرح نہ پیٹنے لگے جس طرح غلام کو پیٹا جاتا ہے اور پھر دوسرے دن جنسی میلان کی تکمیل کے لیے اس کے پاس جائے۔

(۱۱) موبائل کا غلط استعمال

یہ ایک مسلم الثبوت حقیقت ہے کہ موبائل آج کل ہماری زندگی کا ایک لازمی حصہ بن چکا ہے، اس کے فوائد سے بھی کسی کو انکار کی گنجائش نہیں تاہم اس کے نقصانات اس کے فوائد پر غالب ہیں ،خصوصا اس کی وجہ سے انسانی اقدار اور اسلامی اخلاق وآداب میں جو گراوٹ اور بدتری پیدا ہوئی ہے وہ ناقابل بیان ہے، عوام تو عوام بعض خواص بھی جس سنیما بینی کو پہلے معیوب سمجھتے تھے اور خلاف شرع جانتے تھے اب اس پر اسلامی سیریل کا خوبصورت لیبل لگا کر نہ صرف تنہائی میں دیکھنا بلکہ اپنے افراد خانہ میں اجتمائی نمائش سے ذرا برابر بھی نہیں ہچکچاتے ،اس سیریل بینی نے بالعموم سب کو اور بالخصوص خواتین کو انسانی ہمدردی اور رشتوں کی نزاکت سے غافل وبے بہرہ کردیا ہے، جس کے سبب اکثر گھروں میں ساس بہو، میاں بیوی اور نند بھوجائی وغیرہ میں اَن بَن لگی رہتی ہے بالآخر بات طلاق تک پہنچتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ دینی حمیت وغیرت کا مظاہرہ کریں، خود بھی اس بلا سے دور رہیں اور اپنے بچوں کو بھی دور رکھیں، خالی اوقات میں سیریل کی جگہ محافل درود سجائیں یا صالحین وصالحات کی حکایات پر مشتمل کتابیں پڑھیں یا کسی اور نیک کام میں اپنی مصروفیت رکھیں۔

کثرت طلاق کے یہ چند اسباب قدرے اختصار کے ساتھ بیان ہوئے، امید ہے کہ اگر ان اسباب پر دھیان دیا گیا اور اسے دور کرنے کی کوشش کی گئی تو ہمارے سماج سے کثرت طلاق کی یہ وبا ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے گی اور چین وسکون ہمارے معاشرہ کا مقدر ہوگا، اللہ تعالیٰ ہمیں عقل سلیم کی دولت سے نوازے اور ہمارے سماج ومعاشرہ سے اس بیماری کا خاتمہ فرمائے، آمین یارب العالمین۔

خاکسار

ابوالاختر مشتاق احمد امجدی غفرلہ

□□□

”قادیانی فتنہ“ اسلام کے خلاف ایک عظیم صہیونی سازش

غلام مصطفی رضوی، نوری مشن

جاری سال میں قادیانی تحریک اپنے سوسال پورے ہونے کا جشن منا رہی ہے۔ اور اپنی صد سالہ اسلام دشمن سرگرمیوں کو فتوحات و کامیابیوں سے تعبیر کر رہی ہے۔ اس فرقے اور فتنے سے امت مسلمہ کے ہر فرد کا با خبر ہونا ضروری ہے تا کہ ان کے فتنہ و شر سے عقیدہ و ایمان محفوظ رہ سکے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں سب سے نمایاں کردار علما اور مسلمانوں نے ادا کیا۔ انگریزوں کو اس سے مسلمانوں کی ایمانی تپش اور حمیت کا اندازا ہو گیا، انھیں محسوس ہوا کہ جب تک مسلمان متحد رہیں گے ان کا اقتدار خطرے میں رہے گا۔ انگریزوں نے مسلمانوں میں انتشار و افتراق کو پروان چڑھایا، انھیں ملت کی آستینوں میں ایسے افراد مل گئے جو ان کے مشن کو فروغ دینے کا سبب بنے۔ متعدد فرقے انگریزوں کی کوششوں سے وجود پائے جن میں ایک نمایاں فرقہ ”قادیانی“ ہے، جس کے بانی کذاب مرزا غلام احمد قادیانی نے انگریزوں کے ایما پر نبوت کا جھوٹا دعویٰ ۱۹۰۰ء میں کیا حالاں کہ مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضور رحمت عالم سرور کونین ﷺ آخری نبی ہیں اور خاتم النبیین۔ اس پر نص قطعی اور احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ دلالت کرتا ہے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حکم پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پہلے مدعیِ نبوت مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کی اور اس سے جہاد فرمایا اور جاں فروشی کی مثال قائم کر دی، امت مسلمہ کو درس دے دیا کہ ناموس رسالت مآب ﷺ کے لیے جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا جائے اور کسی کذاب یا قادیانی کو پنپنے نہ دیا جائے گویا اسوۂ صدیقی ہر جھوٹے مدعی نبوت کی سرکوبی کے لیے رہ نما اور رہبر ہے۔ انگریزوں نے قادیانیت کو ہر ممکن مدد فراہم کی اور آج بھی اس فتنے کو انگریز کی مکمل سرپرستی حاصل ہے۔ یہ پوری دنیا میں مال و زر کی بنیاد پر سرگرم ہیں، اور اپنے مکر و فریب کے ذریعے ایمان کی دولت قلب مسلم سے چھین لینا چاہتے ہیں۔

قادیانیت برطانوی حکومت کی سرپرستی میں پروان چڑھ رہی ہے۔ انھیں برطانیہ میں سٹیلائیٹ کی قوت مہیا کر دی گئی ہے اور ان کا ٹیلی ویژن بالکل فری ۲۴ر گھنٹے اپنے عقاید کی تشہیر کر رہا ہے، یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ یہودی مسلمانوں کے تو خون کے پیاسے ہیں لیکن اسرائیل میں قادیانیوں کو ہر طرح کی تبلیغ کی چھوٹ دے رکھے ہیں اسی طرح روس میں

جہاں کمیونزم کے نام پر مذہب کو پابند سلاسل کر دیا گیا تھا وہاں قادیانیت کو پوری آزادی حاصل رہی ہے اور یہی کچھ سہولتیں جرمنی و فرانس اور دوسرے خطوں نیز مغربی ملکوں میں انھیں مہیا ہے۔

جب اس فتنے نے سر اٹھایا تو علما نے اس کے سد باب میں کمر کس لی اور تصنیف و تالیف نیز تقریر و تحریر کے ذریعے قادیانیت کا رد بلیغ فرمایا۔ اس سلسلے میں علمائے حرمین طیبین نے امام احمد رضا محدث بریلوی (م ۱۹۲۱ء) کی تحریک پر قادیانی نیز دوسرے باطل فرقوں کے کافر ہونے کا فتویٰ صادر کیا جو ۱۳۲۴ھ میں جاری ہوا اور حسام الحرمین کے نام سے اس کی اشاعت ہوئی۔ اسی طرح امام احمد رضا نے اس فتنے کے رد میں متعدد کتابیں لکھیں جو مطبوع ہیں اور آج بھی قادیانی ان سے لرزاں و پریشاں ہیں اسی طرح بریلی سے ایک مستقل ماہ نامہ بھی جاری فرمایا، کتابوں کے نام اس طرح ہیں:

جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوة، المبین ختم النبیین، السوء والعقاب علی المسیح الکذاب، الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی، قهر الدیان علی مرتد بقادیان۔

آپ کے فرزند اکبر علامہ حامد رضا قادری نے "الصارم الربانی علی اسراف القادیانی" تصنیف کی جو ۱۳۱۵ھ میں مطبع حنفیہ پٹنہ سے اور بعد کو بریلی، لاہور و ممبئی سے شائع ہوئی۔ اس دور کے دوسرے علما و مشائخ نے بھی اس فتنے کو طشت از بام کرنے میں جدو جہد کی جن میں حضرت پیر مہر علی شاہ کا نام بڑا نمایاں ہے۔

عالمی مبلغ اسلام تلمیذ اعلیٰ حضرت علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی نے اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں پوری دنیا کا دورہ فرمایا۔ آپ نے افریقہ، سیلون، یورپ، انڈونیشیا، ملائیشیا، برما، اور بلاد عربیہ میں قادیانیت کے خلاف کام کیا اور مسلمانوں کو ان کے فریب سے آگاہ کیا۔ قادیانیت کے رد میں آپ کی انگریزی تصنیف The Mirrior بیرون ممالک بہت مقبول ہوئی اس کا عربی میں المرآة کے نام سے ترجمہ ہوا اسی طرح اردو میں "مرزائی حقیقت کا اظہار" تحریر فرمائی، جس کا ملائیشیا کی زبان میں جب ترجمہ شائع ہوا تو وہاں کے مسلمانوں میں تحریک اٹھی اور وہاں قادیانیت کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔ آپ کے فرزند علامہ شاہ احمد نورانی اور دوسرے علما کی کوششوں سے ۱۹۷۴ء میں پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا جس کے لیے باضابطہ بل منظور کیا گیا اور آئین کا حصہ بنا دیا گیا اس سلسلے میں جو شق شامل کی گئی اسے علامہ نورانی نے ترتیب دیا، جس کا خلاصہ اس طرح ہے: "جو شخص محمد ﷺ جو آخری نبی ہیں کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط پر ایمان نہیں رکھتا یا جو محمد ﷺ کے بعد کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لیے مسلمان نہیں ہے۔" (ماہ نامہ ضیائے حرم لاہور، دسمبر ۱۹۷۴ء، ص ۳۵-۳۶)

علامہ نورانی نے قادیانیت کا عالمی سطح پر استیصال کیا اور ان سے ماریشس، نیروبی، دارالسلام، سرینام، لاطینی امریکہ، برٹش گیانا، ٹرینی ڈاڈ میں کام یاب مناظرے بھی کیے جس کے نتیجے میں ۶۰۰ / سے زیادہ قادیانیوں نے

اسلام قبول کیا۔ آپ نے یورپ و امریکہ میں قادیانیت کے سد باب میں ایک مستقل نیٹ ورک علامہ ارشد القادری کی مدد سے ترتیب دیا جو'' ورلڈ اسلامک مشن'' کے نام سے اماکن مغرب میں آج بھی سرگرم ہے اور مثبت انداز میں اپنی خدمات کا دائرہ وسیع کر رہا ہے۔

قادیانی تحریک کے سد باب میں خلیفۂ امام احمد رضا علامہ پروفیسر الیاس برنی (پروفیسر معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن) کی تصنیف'' قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ'' نے اہم کردار ادا کیا اس تصنیف نے عالمی شہرت پائی ،اس کی جامعیت کی پیر مہر علی شاہ چشتی گولڑوی نے بھی داد دی۔ نیز آپ نے انگریزی میں بھی اس موضوع پر وقیع کام کیا جس کے اثرات اب بھی پائے جاتے ہیں۔

عصر حاضر میں جب کہ اسلام پر کئی طرح کے حملے کیے جا رہے ہیں۔ کہیں ناموس رسالت پر حملہ ہے تو کہیں مستشرقین کی تنقیدی سرگرمیاں اور سیرت طیبہ پر اعتراض و گستاخی ،اور اسلامی قوانین پر اعتراض ،ایسے حالات میں قادیانیت کو مزید مستحکم کرنے کے لیے انھیں اسلام مخالف قوتیں تعاون فراہم کر رہی ہیں اور مادی و جدید ٹکنالوجی کے سہارے قادیانی فتنہ مسلمانوں کی تباہی کے در پے ہے ایسے میں مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ عقیدۂ ختم نبوت کی نشر و اشاعت کریں اور ہر مسلمان کو اس عقیدے کی اہمیت سے باخبر کریں۔ اس پر کتابوں کو مختلف زبانوں میں شائع کریں ،اخبارات بھی اپنا کردار نبھائیں اور قادیانیت کے رد میں آرٹیکل شائع کر کے امت مسلمہ کے ایمان و ایقان کے تحفظ کا فریضہ سرانجام دیں ۔ ابھی ہم اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ فتنہ ہمارے دروازے پر دستک نہیں دے رہا، یہ ہماری بھول اور بے خبری ہے۔ یہ بیدار ہونے کا وقت ہے ؎

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

قادیانی صد سالہ جشن منا کر اپنے مشن میں کامیابی کا ڈنکا پیٹ رہے ہیں ،نئی نئی فتوحات کے پرفریب منصوبے بھی وہ تشکیل دے رہے ہیں اور بالخصوص ہندوستان ان کے نشانے پر ہے، یہاں کی غریب مسلم آبادیوں کا ایمان وہ مادی اور مالی آسایشوں سے خریدنا چاہتے ہیں ،سماجی وفلاحی کاموں کی آڑ میں اپنا دائرہ پھیلانا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں انھیں در پردہ فرقہ پرست تنظیموں کی حمایت بھی حاصل ہے تو کیا ہماری ذمہ داری نہیں کہ ہم بیدار ہو کر قادیانیت کا رد اور سد باب کریں؟ راقم کے خیال میں اس کے سد باب کا کامیاب لائحۂ عمل یہی ہوگا کہ آقا رحمت عالم ﷺ کی ختم نبوت کا موضوع سرفہرست رکھ کر اس کی اشاعت و تبلیغ کی جائے اور یہ ایمانی تقاضا بھی ہے اس سلسلے میں امام احمد رضا کی جو تصانیف و رسائل ہیں ان کو گھر گھر عام کر دیا جائے ،انھیں تسہیل و تخریج کے مرحلے سے گزار کر منظر عام پر لایا جائے۔ اس طرح کا علمی کام ایمان افروز بھی ہوگا اور وقت کا تقاضا بھی ۔ امید کہ اصحاب بصیرت اس سلسلے میں کوئی مؤثر اور فوری اقدام کریں گے۔ ؎

بزم آخر کا شمع فروزاں ہوا
نور اول کا جلوہ ہمارا نبی ﷺ

□□□

اعلیٰ حضرت اور نیوٹن (Newton) کی کشش ثقل (Gravity)

از: محمد ہاشم رضا قادری امجدی (خادم التدریس: طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی)

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

کچھ دنوں قبل "مکالمہ" نامی ایک ویب سائٹ (Website) پر ایک پوسٹ نظر سے گزری جس میں حضور سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ "فوزِ مبین دَر ردِّ حرکت زمین" پر بنام مسلم ایک شخص نے جو کہ اپنے آپ کو بظاہر فزکس Physics کا عالم کہہ رہا تھا ایک لمبی چوڑی تحریر پوسٹ کی جس میں اس نے کہا کہ "میں نے ایک عالم کی تقریر میں سنا کہ اعلیٰ حضرت نے زمین کی حرکت کے رد میں ایک رسالہ بنام "فوز مبین دَر ردِّ حرکت زمین" تحریر کرکے سائنسدانوں کا منہ بند کر دیا مجھے شوق ہوا کہ اس کتاب کا مطالعہ کروں لہٰذا میں نے اس کتاب کی پی ڈی ایف فائل ڈاؤنلوڈ کرکے مطالعہ کرنا شروع کیا لیکن اس کی اردو سے یہ اندازہ ہو چلا کہ یہ کتاب سمجھنے کے لئے نہیں لکھی گئی ہے پھر میں نے اس کا انگلش ایڈیشن ڈاؤنلوڈ کر کے مطالعہ کرنے کی کوشش کی پھر بھی کوئی بات سمجھ میں نہ آئی سوائے اس کے کہ مولانا نے اس میں عظیم سائنسدانوں جیسے نیوٹن، کیپلر، آئنس ٹائن وغیرہ کو گالیوں سے نوازا ہے اور پاگل و مجنوں جیسے القابات سے یاد کیا ہے" بالآخر تھوڑے بہت صفحات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ کہہ کر اس نے کتاب بند کر دی کہ "جو نقصان میرے علم فزکس کو اس کتاب کے مطالعہ سے پہنچا ہے اس کے کفارے کے طور پر A Breif History of Time دوبارہ پڑھوں گا۔ (جو کہ اسٹیفن ہاکنگ کی ایک کتاب ہے)"۔

اس پورے مضمون کو پڑھنے کے بعد یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ موصوف نے اپنی کم فہمی کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے علم کے ساتھ جوڑ دیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اعلیٰ حضرت کا یہ رسالہ صرف ان سائنسدانوں کی ہجو پر مبنی ہے۔ اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہی ہے کہ اعلیٰ حضرت کی اردو سمجھنا بھی ہر کس و ناکس کا کام نہیں ساتھ ہی اعلیٰ حضرت کی علم سائنس پر دقت نظر کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کا ایک مضمون "الف یار" نامی ویب سائٹ پر بھی پڑھنے کو ملا۔ اس طرح کے مضامین کو پڑھنے کے بعد ضرورت تھی کہ اعلیٰ حضرت کے اس رسالہ کے کچھ مباحث اور اس کے کچھ پہلوؤں کو آسان لب و لہجہ میں قارئین کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ وہ خود فیصلہ کر سکیں کہ علوم جدیدہ میں اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی، دقت نظر، وسعت مطالعہ کی کیا شان ہے۔

آج تقریباً پوری دنیا میں زمین کے متحرک ہونے کے نظریہ کو تسلیم کر لیا گیا ہے لیکن یہ نظریہ اسلامی نظریہ کے خلاف ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِكُ

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا: بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ حرکت نہ کریں (کنز الایمان) اس کے علاوہ اور بھی بہت سے آیتیں اس پر شاہد ہیں، اس لیے اعلی حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر کئی رسالے تحریر فرمائے لیکن خاص اس رسالہ میں زمین کی حرکت کے ابطال پر ۱۰۵/ دلائل قائم کئے اور وہ سارے دلائل اُس دور کے جدید علم سائنس کی رو سے ذکر فرمائے، تاکہ مسلمانوں کے عقیدے کا تحفظ ہو سکے۔ ہم صرف ایک دلیل کو یہاں پر ذکر کریں گے جس کو شوق ہو وہ اعلیٰ حضرت کے اس رسالہ کا دقت نظر سے مطالعہ کرے۔ سب سے پہلے ہم اس فاسد نظریہ سے متعلق جدید سائنسی تجزیہ پیش کرتے ہیں پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا اس پر ردّ ذکر کریں گے۔

۱۶۶۵ء یا ۱۶۶۶ء میں ایک برطانوی سائنسداں آئزک نیوٹن Issac Newton نے ایک نظریہ پیش کیا، جس کے مطابق کائنات میں پائے جانے والے ہر مادی جسم کے درمیان کشش ہوتی ہے جس کے سبب ایک جسم دوسرے جسم کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور جو جسم جتنا بڑا ہوگا اس میں کشش بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی اور ان دو جسموں کے درمیان فاصلہ بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ کشش بھی کمزور پڑ جاتی ہے اور اگر فاصلہ کم ہو تو کشش بھی زیادہ ہوگی۔ نیوٹن کے اس نظریہ نے کشش ثقل یعنی گریوٹی Gravity کی بنیاد ڈالی، جو کہ زمین کے متحرک ہونے پر سب سے بڑی بنیادی دلیل ہے۔

اسی کشش ثقل کے تحت سارا نظام شمسی قائم ہے اور سولر سسٹم کے سیارے اسی کشش کے سبب سورج کے گرد محو گردش ہیں اور سائنس کا ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ ہر دو مادی جسم کے درمیان دو قوت ہوتی ہے ایک اٹریکشن Attraction اور دوسری رپلشن Repulsion یعنی ہر دو مادی جسم کے درمیان دو ایسی قوت ہوتی ہیں جس کے ذریعہ جسم ایک دوسرے کے قریب اور دور ہونا چاہتا ہے۔

Attraction is a force between two or more dissimilar or unlike charges. Two charges of dissimilar characteristics pull towards each other.

Repulsion is a force between two or more similar or like charges. Two charges of similar characteristics pull away from each other.

موجودہ سائنس کے نظریۂ گردش زمین کا سارا نظام اسی کشش ثقل Gravity پر مبنی ہے لہٰذا اگر کشش ثقل کو باطل کر دیا جائے تو یہ نظریہ خودبخود باطل قرار پائے گا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس رسالہ میں خصوصیت کے ساتھ کشش (Attraction)، کشش ثقل یا جاذبیت (Gravity)، نافریت (Repulsion) تینوں کا رد فرمایا اور اس باطل نظریہ کو ایک مجنوں کی خام خیالی قرار دیا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ہر جسم میں دوسرے کو اپنی طرف کھینچنے کی ایک قوت طبعی ہے جسے جاذبہ یا جاذبیت کہتے ہیں اس کا پتہ نیوٹن کو ۱۶۶۵ء میں اس وقت چلا جب وہ وبا سے

بھاگ کر کسی گاؤں گیا، باغ میں تھا کہ درخت سے سیب ٹوٹا اُسے دیکھ کر اسے سلسلۂ خیالات چھوٹا جس سے قواعد کشش کا بھبوکا پھوٹا۔اقول سیب گرنے اور جاذبیت کا آسیب جا گنے میں علاقہ بھی ایسا لزوم کا تھا کہ وہ گرا اور یہ زمین تھی اُس کا جذب خیال میں آیا اور اوپر دیکھا تو سیب شاخ سے بھاگتا پایا یوں نافرہ کا ذہن لڑایا حالانکہ نیچے لانے کو ان میں ایک کافی ہے دو کس لئے۔(فوز مبین)

اعلیٰ حضرت نے جاذبیت کے رد میں اوج و حضیض شمس کا قاعدہ ذکر فرمایا، اس قاعدہ کی رو سے ہم سال بھر مشاہدہ کرتے ہیں کہ سورج کبھی زمین سے انتہائی قریب تو کبھی انتہائی دور ہو جاتا ہے، جس کے سبب سے موسم میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں کبھی بعض علاقوں میں شدت کی ٹھنڈ تو بعض میں جھلسا دینے والی گرمی اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔سورج سے زمین کے اسی غایت بعد کو اوج (Apogee or Aphelion) اور غایت قرب کو حضیض (Perigee or Perihelion) کہتے ہیں۔اوج شمس ۳ یا ۴ جولائی کو جبکہ حضیض شمس ۳ یا ۴ جنوری کو ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: جاذبیت کے بطلان پر پہلا شاہد عدل آفتاب ہے اس کے مدار میں جسے وہ مدار زمین سمجھتے ہیں ایک نقطہ مرکز زمین سے غایت بُعد پر ہے جسے ہم اوج کہتے ہیں اور دوسرا نہایت قرب پر جسے حضیض ان کا مشاہدہ ہر سال ہوتا ہے تقریباً سوم جولائی کو آفتاب زمین سے اپنے کمال بُعد پر ہوتا ہے اور سوم جنوری کو نہایت قرب پر۔(فوز مبین ص: ۳۰۳)

پھر ان دونوں نقطوں کے درمیان فرق ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ تفاوت اکتیس لاکھ میل سے زائد ہے تفتیش جدیدہ میں شمس کا بعد اوسط نوکروڑ انتیس لاکھ میل بتایا گیا اور ہم نے حساب کیا ما بین المرکزین دو درجے ۴۵ ثانیے یعنی ۲٫۵۲۱۲ ہے تو بعد ابعد ۹۴۴۵۸۰۲۶ میل ہوا اور بعد اقرب ۹۱۳۴۱۹۷۴ میل تفاوت ۳۱۱۶۰۵۲ میل (ایضاً)

{قارئین کے ذوق مطالعہ کے لئے ہم جدید پیمائش کو کلو میٹر کے حساب سے ذکر کئے دیتے ہیں تاکہ اس کا صحیح طور پر اندازہ لگایا جا سکے زمین سے سورج کا بعد اوسط چودہ کروڑ پچانوے لاکھ ستانوے ہزار آٹھ سو اکہتر کلو میٹر (KM7.870,597,149) ہے۔ اوج شمس کے وقت اس کی دوری پندرہ کروڑ اکیس لاکھ کلومیٹر (000,100,152 KM) اور حضیض شمس کے وقت چودہ کروڑ ستر لاکھ پچانوے ہزار کلومیٹر (KM000,095,147) ہوتی ہے، لہٰذا ان کے درمیان تفاوت پچاس لاکھ پانچ ہزار کلومیٹر (000,05,50 KM) ہوگا۔}

اب اعلیٰ حضرت کا اس پر رد ملاحظہ فرمائیں: اگر زمین آفتاب کے گرد اپنے مدار بیضی پر گھومتی ہے جس کے فوکز اسفل میں شمس ہے جیسا کہ ہیات جدیدہ کا زعم ہے تو اوّلاً ان کی سمجھ کے لائق یہی سوال ہے کہ زمین اتنے قوی عظیم شدید ممتد پر ہزار ہا سال کے متواتر جذب سے کھینچ کیوں نہ گئی۔(ایضاً)

یہاں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نیوٹن کے فارمولے کا رد فرما رہے ہیں جو اوپر مذکور ہوا جس کے مطابق ہر مادی جسم دوسرے مادی جسم کو اپنی اور اٹریکٹ (Attract) کرتا ہے اس پر اعلیٰ حضرت نے سب سے پہلا رد یہ پیش کیا کہ اگر کشش ثقل (Gravity) جیسی کوئی قوت دو جسموں کے درمیان کام کر رہی

ہوتی تو ہزاروں سال سے سورج جیسے عظیم جسم کے کھینچنے کے باوجود زمین اس کی اور کھینچ کیوں نہ گئی، اور وہ بھی ایسے عظیم جسم کے کھینچنے پر جس کا حجم تقریباً تیرہ لاکھ زمینوں کے برابر ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: ہیات جدیدہ میں آفتاب ۱۲/ لاکھ ۵۳ ہزار ۱۳۰ زمینوں کے برابر اور بعض نے دس لاکھ بعض نے چودہ لاکھ دس ہزار لکھا اور ہم نے مقررات جدیدہ پر بر بنائے اصل کُروی حساب کیا تو تیرہ لاکھ تیرہ ہزار دو سو چھپن زمینوں کے برابر آیا۔ بہرحال وہ جرم کہ اس کے ۱۲ لاکھ حصوں میں سے ایک کے بھی برابر نہیں کی کیا مقاومت کر سکتا ہے تو گرد دورہ کرنا نہ تھا بلکہ پہلے ہی دن کھینچ کر اس میں مل جاتا کیا ۱۲ لاکھ اشخاص مل کر ایک کو کھینچیں اور وہ دور ہی جاہے تو بارہ لاکھ سے کھنچ نہ سکے گا بلکہ ان کے گرد گھومے گا۔ (ایضاً)

یعنی ۱۲ لاکھ لوگ مل کر ایک شخص کو اپنی اور کھینچیں تو کیا وہ شخص ان کی اور کھینچے گا یا ان کے گرد چکر لگانے لگ جائے گا۔

اوج و حضیض شمس کا قاعدہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اور کامل علمی رَد یہ ہے کہ کسی قوت کا قوی پڑ کر ضعیف ہو جانا محتاجِ علت ہے اگر چہ اسی قدر کہ زوالِ علت قوت جبکہ نصف دورے میں جاذبیت شمس غالب آ کر ۱۳۱ لاکھ میل سے زائد زمین کو قریب کھینچ لائی تو نصف دوم میں اسے کس نے ضعیف کر دیا کہ زمین پھر ۱۳۱ لاکھ میل سے زیادہ دور بھاگ گئی حالانکہ قرب موجب قوت اثر جذب ہے تو حضیض پر لا کر جاذبیت شمس کا اثر اور قوی تر ہونا اور زمین کا وقتاً فوقتاً قریب تر ہوتا جانا لازم تھا نہ کہ نہایت قُرب پر آ کر اس کی قوت سُست پڑے اور زمین اس کے نیچے سے چھوٹ کر پھر اتنی ہی دور ہو جائے۔ (ایضاً)

او پر مختصراً گزر چکا کہ سال کے چھ مہینے سورج نقطہ اوج پر اور بقیہ چھ مہینے میں نقطہ حضیض پر ہوتا ہے، تو جب نقطہ اوج پر سورج زمین سے غایت بعد پر تھا اس درمیان سورج کی کشش ثقل (Gravity) زمین کو ۱۳۱ لاکھ میل یعنی 000,05,50 کلومیٹر قریب لے آئی جبکہ سائنس کے فارمولا کی رو سے "جتنا بعد زیادہ ہوگا اتنی ہی کشش کم ہوگی" تو ہونا تو یہ تھا کہ نقطہ اوج میں زمین سورج کے ہاتھ سے نکل جاتی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ غایت بُعد کے بعد دھیرے دھیرے سورج زمین کے قریب ہونے لگ جاتا ہے اور پھر حضیض شمس میں وہی قرب حاصل کر لیتا ہے لہٰذا اس صورت میں جب زمین سورج سے ۱۳۱ لاکھ میل یعنی 000,05,50 کلومیٹر قریب کھینچ آئی تو پھر وہی سائنس کا فارمولا کہ "جب دو جسموں کے درمیان بُعد کم ہوگا تو کشش ثقل (Gravity) زیادہ ہوگی" اب چاہیے تھا کہ زمین سورج سے جا ملتی لیکن ایسا نہیں ہوتا بلکہ اس کے گرد چکر ہی لگاتی ہوئی نظر آتی ہے یہ نری جہالت کوئی مجنوں ہی قبول کر سکتا ہے چہ جائیکہ عاقل۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان اس کم عقلی پر طنز کستے ہوئے فرماتے ہیں: شاید جولائی سے جنوری تک آفتاب کو راتب زیادہ ملتا ہے قوت تیز ہوتی ہے اور جنوری سے جولائی تک بھوکا رہتا ہے کمزور پڑ جاتا ہے۔ (ایضاً)

پھر فرماتے ہیں: دو جسم اگر برابر کے ہوتے تو یہ کہنا ایک ظاہری لگتی ہوئی بات ہوتی کہ نصف دورے میں یہ غالب رہتا ہے نصف میں وہ نہ کہ وہ جرم کہ زمین کے ۱۲ لاکھ امثال سے بڑا ہے اسے کھینچ کر ۱۳۱ لاکھ میل سے زیادہ قریب کرے اور عین شباب اثر جذب کے وقت سُست پڑ جائے اور ادھر ایک ادھر

۱۲ / لاکھ سے زائد پر غلبہ و مغلوبیت کا دورہ پورا نصف نصف انقسام پائے اس پر یہ مہمل عذر پیش ہوتا ہے کہ نقطہ حضیض پر نافریت بہت بڑھ جاتی ہے وہ زمین کو آفتاب کے نیچے سے چھڑا کر پھر دور لے جاتی ہے۔(ایضاً)

آخر میں فرمایا کہ یہ اوج و حضیض شمش کا جھگڑا اگر دو مساوی جسموں کے درمیان ہوتا تو بات کچھ عقل کے قریب لگتی لیکن یہاں نزاع ایسے دو جسموں کے درمیاں ہے کہ جن میں تیرہ لاکھ گنا کا فرق ہے وہ عظیم جسم ایک نازک جسم کو کھینچ کر پچاس لاکھ پانچ ہزار کلومیٹر (000,05,50) قریب لے آیا اس وقت جب کہ دوری زیادہ تھی لیکن جب دوری کم ہوئی اور کشش ثقل Gravity اپنے شباب پر پہونچی تو اسی جسم کو کہ تیرہ لاکھ گنا چھوٹا ہے اپنے زور پر اس عظیم جرم سے دور بھاگ گیا اور اس کا سبب نقطہ حضیض پر نافریت کا بڑھ جانا بتانا ایک بعید از عقل اور نا قابل تسلیم عذر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جاذبیت باطل اور جس پر مدار گردش ہے آپ ہی باطل اور نافریت بغیر جاذبیت کے قائم نہیں رہ سکتی ہے لہٰذا اسکا پہیہ بھی یہیں دفن ہونا چاہتا ہے اور اس سے زمین کا ساکن ہونا ثابت اور ایک کلمہ گو کے لیے عزت والے رب کا کلام اس اعتقاد پر ناطق۔

خلاصۂ کلام:

اعلیحضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے ان مباحث سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح اعلیٰ حضرت نے اپنے دور کے سائنس دانوں کو گردش زمین کے پہیہ میں اس طرح گھمایا کہ آج تک اعلیٰ حضرت کے اس رد کا جواب نظر سے نہیں گزرا۔ آج مزید اس نظریہ کی توسیع ہونے کے بعد بہت سی نئی تھیوری زمین کی گردش کے نظریہ میں شامل ہو چکی ہیں جیسے کہ "زمین سورج سے اس لیئے نہیں جا ملتی کیونکہ خلاء Space ایک ویکیوم Vacuum کی طرح ہے اور ویکیوم میں ہوا ہوتی ہے جو ایک جسم کو دوسرے جسم سے جا ملنے سے حائل ہوتی ہے" جس پر اعلیٰ حضرت نے اسی کتاب میں رد فرمایا ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اعلیٰ حضرت کے اس کارنامے کو عام فہم اور سلیس زبان میں حل کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تا کہ ہمارے وہ نوجوان جو اس طرح کے غیر اسلامی نظریہ کے گرد چکر کاٹ رہے ہیں انہیں مزید غور و فکر کرنے کی سعی حاصل ہو اور اسلام کے حق و صحیح نظریہ کو اپنا کر دنیا کے دام فریب سے خود کو نجات دیکر اخروی منازل میں کامیابی حاصل کر سکیں۔

اس مقالہ کے شروع میں ذکر ہوا کہ کچھ لوگوں نے اعلیٰ حضرت کے اس نظریہ کو غلط ثابت کرنے کی بھر پور کوشش کی ہے ان کی بارگاہ میں عریضہ ہے کہ اگر وہ یہ سوچ کر اس نظریہ کا انکار کر رہے ہیں کہ یہ نظریہ اعلیٰ حضرت کا ایجاد کردہ ہے تو ان کے لیے دعوت فکر ہے کہ انہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ نظریہ خود سائنسدانوں کے درمیان بھی مختلف فیہ ہے اس کے لیے انہیں چاہیے کہ Hundred Authors Against Einstein اور The Galileo was wrong The Church was Right The Evidence from modern science کا بغور مطالعہ کریں تو انہیں احساس ہو جائیگا کہ تھیوری بدلنے والی چیز ہے اور اس میں زمانہ کے اعتبار سے تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن جو نظریہ اسلام نے پیش کیا وہ خطا سے بری ہے۔

□□□

مخدومہ عالمہ فاضلہ عائشہ خاتون علیہا الرحمہ

معلمات اور طالبات کے درمیان

ایک مختصر تعارف

بقلم: شاگردۂ شہزادیٔ صدر الشریعہ رضیہ شاہین۔ پرنسپل

کلیۃ البنات الامجدیہ:

استاذی مکرمہ مخدومہ عالمہ فضالہ عائشہ خاتون علیہا الرحمہ شہزادیٔ حضور صدر الشریعہ، آپ خواتین کے درمیان انفرادی حیثیت رکھتی تھیں، بارعب، باصلاحیت، باہمت، پُرعزم، مدبرہ، مفکرہ، ناصحہ اور خواتین کے معاملات ومسائل سے دلچسپی ارو شناسائی رکھتی تھیں۔ کسی بھی معاملے کا سامنا کرنے کے لیے ہمیشہ تیار اور کمر بستہ رہتی تھیں اور کبھی حالات سے گھبرائی نہ تھیں۔ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ ایک لائق وفائق معلمہ کو جن اوصاف سے متصف ہونا چاہیے وہ تمام اوصاف وکمالات بدرجہ اتم آپ میں موجود تھے۔ غالباً علم وآگہی، جوش وجذبہ اور حوصلہ آپ کے والد بزرگوار حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ اور والدہ ماجدہ سے آپ کو وراثت میں لاتھا۔

مجھے یاد ہے ایک بار شہر بنارس میں حاجی عبد السلام کے وہاں خواتین کے جلسہ میں آپ کے ہمراہ میرا بھی جانا ہوا تھا، وہاں پر ایک امریکی نامہ نگار خاتون نے آپ سے انٹرویو میں ''الرجال قوامون علی النساء'' کے تعلق سے سوالات پوچھے۔ امریکی نامہ نگار کی زبان انگریزی تھی، اس لیے یہ انٹرویو بنارس کی ایک ترجمان خاتون کے ذریعہ ہوا تھا، آپ نے بنا کسی جھجھک کے اس کے تمام سوالوں کے مدلل جوابات دیے، اور اسے اپنے جواب سے مطمئن کردیا، جو اپنے آپ میں بڑی بات تھی۔

آپ نے قوم کی عورتوں کو اللہ کے اس قول:

"ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم"۔

ترجمہ:۔ اللہ اس دن تک قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کوئی قوم اپنی حالت کو بدلنے کی کوشش نہ کرے۔ کے مطابق جہالت کے اندھیروں سے نکال کر انھیں علم وآگہی کے نور سے آراستہ کرکے انھیں آفتاب وماہتاب بن کر چمکنا سکھا دیا۔

آہ پھوپھی جان! اب ہمارے درمیان نہیں رہیں، جو ہمارے دلوں کی دھڑکن تھیں، جن سے ہماری ڈھارس بندھی رہتی تھی، جو ہمارا مضبوط سہارا تھیں، جو کلیۃ البنات الامجدیہ کی زینت تھیں۔ اللہ ان کے مرقد پر اپنی رحمت کی بارش برسائے اور ان کے درجات بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

کلیہ میں درس وتدریس کا آغاز:

یہ مدرسہ ہے کوئی میکدہ نہیں ساقی
یہاں کی خاک سے انساں بنائے جاتے ہیں

میں کلیہ کی پہلی کھیپ میں فارغ ہونے والی پھوپھی جان علیہا الرحمہ کی شاگردہ ہوں، جس نے ابتدائی فوقانیہ تا عالمیت پھوپھی جان علیہا الرحمہ سے شرف تلمذ حاصل کیا ہے۔ چند سالوں مدرسہ شمس العلوم کے نسواں میں پھوپھی جان کے درس میں رہی،

بعدہٗ آپ کے برادر عزیز محدث کبیر صاحب قبلہ مدظلہ العالی شہزادۂ حضور صدرالشریعہ کے قائم کردہ کلیۃ البنات الامجدیہ میں آپ خدمت دین کا کام انجام دینے لگیں، ساتھ ہی میرا بھی داخلہ ۱۹۸۹ء میں کلیہ میں ہوگیا، اس وقت ابھی کلیہ کی کوئی پختہ عمارت نہ تھی، بلکہ قادری منزل کے پاس ایک قدیم ٹوٹی پھوٹی عمارت تھی، جس کی چھت بارش میں ٹپکتی تھی، اسی میں تعلیم ہوتی تھی، لیکن ایک عزم اور حوصلہ تھا، جس کی وجہ سے قدم آگے بڑھتے جارہے تھے۔

عزائم جن کے پختہ ہوں یقیں جن کا خدا پر ہو
تلاطم خیز طوفاں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

دیکھتے ہی دیکھتے بچیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا، میری کلاس میں چھ طالبات ہوگئیں، جس میں میرے علاوہ پانچ کے نام یہ ہیں: (۱) روبیہ امجدی (۲) شکوہ خاتون (۳) ام سلمیٰ قادری (۴) عبیدہ خاتون (۵) ناھید فاطمہ۔ کافی عرصہ تک پھوپھی جان اکیلے ہی ہمیں پڑھاتی رہیں، ابھی باضابطہ کتابوں کا نصاب نہیں تھا، پوری پوری کتابیں ختم ہوجاتی تھیں، عالمیت تک اکثر کتابیں آپ ہی نے پڑھائیں، پھر آپ کی کوششوں سے دیگر درجات میں بچیوں کی تعداد بڑھی تو آپ نے جامعہ امجدیہ کے کچھ اساتذہ کی مدد سے تعلیم کے سلسلہ کو جاری رکھا، ان اساتذۂ کرام کے نام یہ ہیں: مفتی آل مصطفیٰ صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب قبلہ، حضرت مولانا و حافظ محمد صدیق صاحب قبلہ، حضرت مولانا جمال مصطفیٰ قادری صاحب، آپ کے برادر عزیز حضرت مولانا فداء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری۔

یکے بعد دیگرے سب نے تدریس کا کام انجام دیا اور محترمہ معینہ جمال قادری صاحبہ شاہزادی شہزادیٔ صدرالشریعہ نے ہمیں ہائی اسکول تک انگلش کی تعلیم دی، دورانِ تدریس پھوپھی جان علیہا الرحمہ کے دیگر عزیز و اقارب نے بھی بڑی حوصلہ افزائی فرمائی اور وقتاً فوقتاً ہمارا تعلیمی جائزہ لیتے رہے اور پڑھایا بھی، اس میں سب سے زیادہ پیش پیش استاذ گرامی حضرت مولانا فداء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری تھے۔ اور حضرت مولانا قاری رضاء المصطفیٰ علیہ الرحمہ کراچی تھے۔ جب کبھی آپ پاکستان سے تشریف لاتے ضرور بالضرور مدرسہ میں تشریف لاتے، جائزہ بھی لیتے اور پڑھاتے بھی تھے، پھوپھی جان بہت خوش ہوا کرتی تھیں۔ اس دوران حضور محدث کبیر صاحب قبلہ دام ظلہ العالی جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں صدرالمدرسین کے عہدہ پر فائز تھے، آپ ادارہ کے قیام وبقا کے لیے بھرپور جدوجہد کررہے تھے۔

اور ناظم اعلیٰ حضرت مولانا علاء المصطفیٰ قادری صاحب قبلہ کی انتھک کوششوں سے اور مذکورہ تمام شخصیات کے تعاون اور خاص کر پھوپھی جان علیہا الرحمہ کی توجہ اور جانفشانیوں سے بنات حوا کی تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھتا رہا۔

بالآخر ۱۹۹۱ء میں دادی جان علیہا الرحمہ کے برسوں کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ ماہ نومبر میں ایک شب گھوسی میں خواتین کا پہلا جلسہ و اجتماع منعقد ہوا، جس میں مبارک شخصیات کی جھرمٹ میں پھوپھی جان علیہا الرحمہ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ہماری ردا پوشی فرمائی اور وہیں سے ہمیں قوم کے سامنے بولنے کا سلیقہ آیا اور سب کی محنتوں اور ارمانوں کا شجر بارآور ہوا۔

الغرض! ہندوستان میں قوم کی بچیوں کی دینی تعلیم وتربیت کا شاید یہ پہلا ادارہ ہے، جہاں بچیوں کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کو بھی فروغ دیا گیا اور دیگر علوم وفنون مثلاً سلائی وکشیدہ کاری، پینٹنگ، امور خانہ داری وغیرہ لڑکیوں کی زندگی میں کام آنے والے ہنر سے بھی بچیوں کو آراستہ کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ لڑکیوں کو عربی و فارسی بورڈ کے امتحانات دلوا کر ہمیں مردوں کے دوش بدوش کھڑا کردیا۔

یہ اس دور کی بات ہے، جب گھوسی میں بورڈ کے امتحانات کو عورتیں جانتی تک نہ تھیں اور نہ گھوسی میں اس کا سینٹر تھا، ہمیں اعظم گڑھ مئو وغیرہ لے جا کر امتحان دلوایا، اہل گھوسی کے لیے یہ ایک انوکھی بات تھی، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا آپ نے وہ کر دکھایا۔ صحیح معنوں میں آپ نے شہزادیٔ صدر الشریعہ ہونے کا حق ادا کر دیا، یہ ہمارے اوپر حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا فیضان اور آپ کے خانوادے کا احسان ہے، ورنہ ہم کچھ نہ تھے، ذرۂ ناچیز کو ایسا سنوار کے ہیرا بنا دیا۔

آپ کی والدہ ماجدہ موسوم ہاجرہ بی بی یعنی دادی جان علیہا الرحمہ کی یہ دلی تمنا تھی کہ قوم کی بچیوں کے لیے دینی تعلیم کا کوئی بندوبست ہو، آپ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد آپ کے خانوادے نے آپ کے اس دلی تمنا کو پورا کیا اور اس کار خیر کو انجام دیا۔

۱۹۹۶ء میں بحمد اللہ پھوپھی جان کو سرکاری ملازمت ملی اور ۲۰۰۷ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئیں، اس کے بعد پرائیویٹ طور پر آپ پوری محنت و لگن سے پڑھاتی رہیں اور بالآخر قدرتی اور طور پر کمزوری اور ضعیفی نے مدرسہ آنے سے مجبور کیا، پھر بھی آپ ہمت نہیں ہاریں اور گھر پر ہی بچیوں کو بلا کر مشکوٰۃ شریف اور ترمذی شریف وغیرہ بڑی بڑی کتابیں پڑھاتی رہیں، چوں کہ مدرسہ سے متصل آپ کا گھر بھی تھا اور مدرسہ کے کسی بھی پروگرام میں آپ تشریف لاتیں اور اپنے مفید مشوروں نصیحتوں سے نوازتیں۔

اس دوران آپ نے عالمات کے کئی قافلے تیار کر دیے، جس کی وجہ سے لگاتار تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھتا رہا اور ان شاء اللہ تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

۲۰۰۶ء سے مفتیہ کا دوسالہ کورس شروع ہوا اور بحمد اللہ مفتیہ کا قافلے بھی تیار ہونے لگے، ناچیز نے ۱۹۹۱ء میں فراغت کے بعد دو سال ممبئی مہاراشٹر میں تدریس و تبلیغ دین کی خدمات انجام دی، چوں کہ کلیۃ البنات کے بعد اوروں کے اندر بھی حوصلے جاگ رہے تھے اور جگہ جگہ لوگ لڑکیوں کے ادارے قائم کر رہے تھے، یہاں کی فارغات نے تبلیغ و تدریس کا کام بخوبی انجام دیا۔

بالآخر ۱۹۹۴ء میں ناچیز کو حضور محدث کبیر صاحب قبلہ سربراہِ اعلیٰ نے اپنے ادارے میں خدمت کے لیے چن لیا اور جب سے لگاتار ناچیز اپنے مادر علمی میں دینی خدمات پیش کر رہی ہے، اور ۲۰۰۴ء میں پھوپھی جان کے مدرسہ چھوڑنے کے بعد سے پرنسپل کی کٹھن ذمہ داری بھی ناچیز کے نازک کندھوں پر آ گئی، بڑی کٹھنائیوں اور مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے پھوپھی جان کے مشوروں ارو معلومات کے تعاون اور مسلسل جد و جہد اساتذہ کی دعاؤں سے میں نے سنبھالا ارو حضور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی کی نگرانی اور سرپرستی میں ادارہ مسلسل شاہراہ ترقی پر گامزن ہے۔

الحمد للہ! آج پورے ہندوستان میں اس ادارہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

اس وقت کلیہ میں تقریباً ۴۰؍ باصلاحیت معلمات کا اسٹاپ ہے، جس میں اکثر پھوپھی جان علیہا الرحمہ کی شاگردائیں ہیں۔

حضور محدث کبیر صاحب قبلہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد سے اب تک کلیہ میں لگاتار ہزار مصروفیات کے باوجود بخاری شریف کے درس سے طالبات کو فیضیاب فرما رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کلیہ علم و فن کی ایسی آماجگاہ ہے جہاں ملک و بیرون ملک سے تشنگانِ علم و فضل کشاں کشاں چلی آتی ہیں۔

یہ مہر تاباں سے کوئی کہہ دو اپنی کرنوں کو گن کے رکھ لے
ہم اپنے صحرا کے ذرے ذرے کو خود چمکنا سکھا رہے ہیں

یا خدا ہو یہ ادارہ علم و فن کا لالہ زار
عزم کا کوہِ ہمالہ اہل سنت کا وقار

□□□

تاثرات

حضرت علامہ مولانا رضوان احمد نوری شریفی صاحب قبلہ
حضرت علامہ مولانا انیس عالم سیوانی صاحب قبلہ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین

بزرگانِ دین، اولیائے کاملین، علمائے ربانیین اور صالحین کے حالات وواقعات سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ یہ اللہ رب العزت کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے معرفت کے کن دشوار گزار مراحل کو طے کرتے ہیں اور فکر آخرت میں دنیا کی رعنائیوں اور عیش وعشرت سے کس طرح منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس کی اطاعت وبندگی میں لگے رہتے ہیں، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا ان پر انعام اس طرح ہوتا ہے کہ بظاہر ان کے پاس مادی طاقت وقوت نہیں ہوتی، بے سروسامانی کا عالم ہوتا ہے، مگر ان کی بحر وبر پر حکمرانی ہوتی ہے، منٹوں میں کسی کو تاج شاہی عطا فرما دیتے ہیں اور کسی کو تختۂ دار پر چڑھا دیتے ہیں۔ کشور دل کی فرماں روائی ان کے ہاتھوں میں ہوتی ہے، روح کو سرور، ایمان میں بالیدگی اور میدان عمل میں پیش قدمی کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ ویران دل آباد ہوتے ہیں اور تاریک دلوں کو روشنی ملتی ہے۔

چنانچہ عالم ربانی حضرت علامہ عبد اللہ بن اسعد یافعی یمنی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''روض الریاحین فی حکایات الصالحین'' میں اس پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

''امام الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ بزرگان دین اور اولیاء اللہ کے واقعات و حکایات سے مریدین کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''**الحکایات جند من جنود اللہ تعالیٰ تقوی بھا قلوب المریدین**'' (بزرگان دین کے واقعات اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں، ان سے اہل ارادت کے دلوں کو قوت حاصل ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ مطمئن اور ثابت قدم رہتے ہیں) سائل نے عرض کیا: حضور آپ کے پاس اس قول کی کوئی دلیل بھی ہے؟ آپ نے دلیل میں قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

کلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت به فؤادک''۔

ترجمہ:۔ اور رسولوں کی خبروں میں سے سب باتیں ہم آپ پر بیان فرماتے ہیں جن سے آپ کے دل کو ثابت قدمی بخشیں۔

اسی لیے بزرگان دین اور علمائے ربانیین کی شخصیتوں سے متعلق نمبر شائع کیے جاتے ہیں۔

اسی سلسلہ کی کڑی ''صدر الشریعہ نمبر'' بھی ہے۔ علم وفن

کا تبحر، فضل وکمال کی انفرادیت اور شریعت وتقویٰ کا التزام آپ کی حیات طیبہ کے لیل ونہار اور خلوت وجلوت میں نظر آرہے ہیں۔

''صدرالشریعہ نمبر'' ایک بے مثال نمبر ہے، جس میں آپ کی حیات طیبہ کے تمام گوشوں پر بہترین قلم کاروں اور دانشوروں نے بھر پور روشنی ڈالی ہے۔ اور ملت کی مایۂ ناز شخصیتوں کے معلومات افزا تاثرات بھی ہیں، جو پڑھنے کے قابل ہیں۔ بالخصوص حضور محدث کبیر، حضور قائد ملت مفتی عسجد رضا، حضور سید گلزار ملت اور مفتی اختر حسین علیمی مدظلہم العالی کے تاثرات زبان وبیان کی چاشنی کے ساتھ حقیقت بیانی پر مشتمل ہیں۔

قابل مبارک باد ہیں مخدوم زادہ حضرت مولانا علاء المصطفیٰ صاحب قادری، عزیز گرامی قدر مفتی فیضان المصطفیٰ صاحب، وعزیزم مولانا شمیم احمد صاحب اویسی اور عزیزم مولانا حسان المصطفیٰ صاحب زید مجدہم جن کی کاوشوں اور محنتوں سے یہ نمبر منظر عام پر آیا۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل میں انھیں اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین۔

خاک پائے اولیائے کرام وساداتِ عظام

رضوان احمد نوری شریفی

خادم الجامعۃ البرکاتیہ گھوسی

۸/ذوالحجہ ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۷/جون ۲۰۲۳ء

□□□

اے رضا ہر کام کا ایک وقت ہے

"صدرالشریعہ نمبر" درحقیقت برسوں پرانا خواب جواب شرمندۂ تعبیر ہوسکا۔ اللہ تعالی سہ ماہی امجدیہ کے مدیر اعلی حضرت علامہ فیضان المصطفیٰ صاحب قادری کو جزائے خیر دے، جنھوں نے محنت کر کے اس کام کو آسان کیا۔

حرف اولین کی سرخی کے ذیل میں ناظم اعلیٰ حضرت مولانا علاء المصطفیٰ صاحب قبلہ کے مضمون سے پتہ چلا کہ انہوں ۱۹۷۸ء میں اس کام کا آغاز کیا تھا، جس کا رزلٹ ۲۰۲۳ء مطابق ۱۴۴۴ھ یکم ذیقعدہ بروز پیر بموقعۂ عرس صدر الشریعہ دیکھنے کو ملا۔

دیر آید درست آید کے مصداق یہ نمبر صوری ومعنوی محاسن وکمالات سے مزین ہے، ۶۵۶/صفحات پر مشتمل یہ گراں قدر عظیم نمبر اپنے آپ میں امجدیات پر ایک دستاویز ہے، اس وجہ کر کہ سوانح حیات کے حوالہ سے جانشین صدر الشریعہ محدث کبیر مدظلہ العالی نے جو کچھ زبانی بیان فرمایا جسے مدیر اعلیٰ نے اپنے قلم سے تحریری جامہ پہنایا ہے، شاید وہ کہیں اور نہیں ملتا۔ اس مضمون کو پڑھ کر حضور صدر الشریعہ کے احوال وکوائف کے ساتھ محدث کبیر کی یادداشت کی داد نہ دینا بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔

نمبر میں خاص بات یہ ہے کہ ستر، پچھتر سال کے ٹاپ کلاس کے علما ومشائخ کے مضامین، مقالات، اور تاثرات اس نمبر کا حصہ ہیں۔

سہ ماہی امجدیہ گھوسی اپریل تا جون ۲۰۲۳ء کا شمارہ صدر الشریعہ نمبر کئی خوبیوں کا حامل ہے پہلی بات تو یہ کہ یہ نمبر نہ اتنا ضخیم

ہے کہ قاری کا دل دیکھتے بیٹھ جاے اور نہ اتنا مختصر کہ اہمیت ہی جاتی رہے۔

حضور محدث کبیر کے دعائیہ کلمات اور علامہ علاء المصطفیٰ صاحب کے حرف اولین کے علاوہ ۱۲/ اکابر علماء اور مشائخ کے تاثرات بالخصوص قاضی القضاۃ فی الہند شہزادہ وجانشین تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری وحضور گلزار ملت سید شاہ گلزار میاں صاحب قبلہ قادری رزاقی کے تاثرات ، باب اول جو سوانح حیات پر مشتمل ہے اس باب میں کل ۲۲ / مضامین شامل ہیں۔ خاص کر محدث کبیر کی زبانی نادرونایاب معلومات، علامہ عبد المصطفیٰ ازہری، علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی ، علامہ سید ظہیر احمد زیدی کے قلم سے صدر الشریعہ اور مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ، صدر الشریعہ کے جنازہ کے تعلق سے علامہ ارشد القادری کا مضمون، باب دوم جو محاسن وکمالات کو متضمن ہے اس عنوان کے تحت کل ۱۸ / مضامین شامل ہیں ،ان مضامین کے محررین کے نام ہی سے اس باب کی افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

صدر الشریعہ کے لائق وفائق شاگرد حضور حافظ ملت، علامہ غلام جیلانی اعظمی ، علامہ غلام جیلانی میرٹھی، مفتی خلیل احمد خاں برکاتی ،مفتی محبوب رضا خاں بریلوی، علامہ مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی، باب سوم میں ۲۸ / مضامین ہیں۔

حاشیہ طحاوی کے حوالہ سے محدث کبیر کا ایک گراں قدر ابتدائیہ کہہ سکتے ہیں۔ دوسرا مضمون علامہ مبین الدین صاحب امروہوی کا ہے جس میں حضرت نے حاشیہ طحاوی کی شروعات کیسے ہوئی، اسی باب میں علامہ سید الزماں حمدوی کا مضمون ہے۔

اخیر میں اختتامیہ کے عنوان سے مناقب صدر الشریعہ جس میں مختلف شعراء کے ۹ / کلام شامل ہیں خاص کر سیدی مرشدی تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی لکھی منقبت ہے۔

حضرت مولانا مفتی شمیم رضا اویسی امجدی کا پیہم اصرار تھا کہ ناظم صاحب قبلہ کا حکم ہے کہ یہ فقیر صدر الشریعہ نمبر کے لیے تاثر لکھ دے، جس کے سبب یہ چند سطور حاضر ہیں۔

درحقیقت اس خصوصی نمبر کا تقاضہ تو یہ تھا کہ تفصیلی مضمون لکھا جائے، لیکن تاثر اختصار چاہتا ہے۔

میرے لیے صدر الشریعہ نمبر اس لیے بھی اہم اور تاریخی ہے کہ اجرا فرماتے ہوئے مقتدائے اہل سنن حضور محدث کبیر دامت برکاتہم العالیہ نے پہلا نسخہ علامہ فیضان المصطفیٰ قادری صاحب کی گزارش پر اس حقیر کو عنایت فرمایا تھا۔

حضور صدر الشریعہ کے انتقال کو پچہتر سال کا عرصہ گزر گیا، آپ کے سیکڑوں تلامذہ ہندو پاک میں جن کی طوطی بولتی تھی، درجنوں علمی ،تحقیقی ،فقہی وحدیثی تصنیفات، بے مثال مناظر، باکمال خطیب، ان تمام امتیازات کے باوجود اتنے عرصہ بعد آپ کے احوال وکوائف پر نمبر کا منظر عام پر آنا، اس کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ ؎

اے رضا ہر کام کا ایک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہوہی جائے گا

انیس عالم سیوانی
نائب قاضی شہر لکھنؤ

□□□

عرسِ امجدی کی رپورٹ

شمیم رضا اویسی امجدی
خادم التدریس: طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

کسی بھی علمی شخصیت کے علمی مقام و مرتبے کا اندازہ اس کی تعلیمی، تدریسی اور تصنیفی خدمات، اساتذہ و شیوخ نیز معاصرین کے اعتماد و وثوق سے لگایا جاتا ہے۔حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان بھی ایک ایسی علمی اور ادبی شخصیت کے مالک ہیں، جن کی تصنیفی اور تحقیقی خدمات کا لوہا عرب و عجم میں مانا گیا۔آپ کی ذات والا صفات ہمہ جہت وہشت پہلو ہے۔آپ نے تقریباً ایک صدی تک اپنی سحر انگیز شخصیت سے بالخصوص ہندو پاک اور بالعموم سارے عالم اسلام کو متاثر کیا۔

آپ کا عرسِ مبارک گزشتہ 77 سالوں سے پورے تزک و احتشام کے ساتھ ہر سال آپ کے وطن مالوف سرزمینِ مدینۃ العلماء گھوسی میں منایا جاتا ہے، امسال بھی آپ کے عرسِ سراپا قدس کی تقریبات بتاریخ 22 / 23 مئی 2023ء بروز سوموار اور منگل ضیاء ہاسٹل اور امجدی رضوی مسجد کے قریب وسیع و عریض صحن میں جانشین حضور صدر الشریعہ، سلطان الاساتذہ، رئیس المناظرین، ممتاز الفقہاء، محدث کبیر حضرت علامہ مولانا مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری امجدی دامت فیوضہم کی زیر سرپرستی وصدارت میں نہایت ہی شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہو کر فیض بخش عام ہوئی۔

عرس کی تقریب میں ملک و بیرون ملک سے بیشتر زائرین، وابستگان اور اہلِ عقیدت نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور اپنی عقیدت و محبت کا خراج پیش کیا۔

عرس کا پہلا دن:

بعد نماز عشاء عرس کی پہلی تقریب منعقد ہوئی اور اسلاف کی روایات پر عمل کرتے ہوئے محفل کا آغاز اللہ تعالیٰ کے اس مقدس کلام سے ہوا جس کے متعلق حدیث میں وارد ہے "فضل كلام الله على سائر الكلام كفضل الله على خلقه" بعدِ تلاوتِ قرآن نعت و منقبت کی خوبصورت بزم سجی اور عزیزم ساحل رضا سلمہ متعلم جامعہ ہذا نے بہترین لب و لہجے میں بارگاہِ رسول انام میں گلہائے محبت پیش کیے، بعدہٗ جامعہ کے ہی ایک فرزند عزیزم قمر الزماں سلمہ نے علم کی اہمیت و افادیت پر شاندار خطاب کیا اور معاً بعد حافظ عابد رضا امجدی کرناٹکی نے حضور صدر الشریعہ کی بارگاہ بافیض میں فقیر راقم الحروف کی رقم کردہ منقبت خوبصورت انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی، اسی دوران یومِ اساتذہ کی مناسبت سے جامعہ میں زیرِ تعلیم جماعت فضیلت کے طلبہ نے اپنے جملہ اساتذہ کی بارگاہوں میں تحائف پیش کر کے ان سے دعائیں لیں، اس کے بعد ناظمِ جلسہ مولانا راشد رضا سلمہ نے خانوادہ صدر الشریعہ کے چشم و چراغ، ماہر امجدیات، متکلم عصر، فقیہ دوراں حضرت علامہ مولانا مفتی فیضان المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری کی بارگاہ میں دعوتِ خطاب پیش کیا، آپ نے صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات و خدمات کے حوالے سے پر مغز خطاب کرتے ہوئے اپنے خانوادے کی عظیم علمی اور دینی خدمات کا تذکرہ فرمایا، تقریر ختم ہوئی، اور ایک مختصر دورانیے میں امجدیات کے باب میں صدر الشریعہ کے احوال و آثار پر مشتمل ایک

شاندار علمی دستاویز بنام "صدر الشریعہ نمبر" کا رسمِ اجرا حضور محدث کبیر دامت فیوضہم کے مقدس ہاتھوں عمل میں آیا، یہ نمبر مفتی فیضان المصطفیٰ صاحب قبلہ اور شہزادہ حضور محدث کبیر حضرت علامہ مولانا علاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری کی محنتوں کے ذریعے وجود میں آنے والا ایسا خوبصورت ترین علمی سرمایہ ہے جو امجدیات کے باب میں انفرادی حیثیت کا حامل ہے، کتاب کی رونمائی کے بعد قاری غلام رسول نوری صاحب قبلہ نے حضور محدث کبیر دام ظلہ کی شان میں فقیر کی لکھی منقبت بہترین انداز میں پیش فرما کر دادو تحسین کے مستحق ہوئے، اس کے بعد باہر سے تشریف لائے ہوئے عالم دین، خطیب ہر دلعزیز، آفتِ جانِ صلح کلیت حضرت علامہ مولانا انیس عالم سیوانی کا مسلکِ اعلیٰ حضرت کی حقانیت اور اس کی عظمت و فضیلت کے حوالے سے شاندار خطاب ہوا اور اخیر میں کرسیِ خطابت پر وہ عظیم الشان ذات جلوہ گر ہوئی جس کی عظمتوں کے چراغ علمی کائنات میں مثلِ آفتاب روشن و تابندہ ہیں یعنی ممتاز الفقہاء، سلطان الاساتذہ، رئیس المناظرین، جانشین حضور صدر شریعت، نور دیدۂ حافظ ملت، محدث کبیر حضرت علامہ مولانا مفتی ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری دامت اقبالہم، حضرت نے بڑے ہی مختصر انداز میں ایک جامع تقریر فرمائی، جس میں اپنے بچپن کے حالات اور صدر الشریعہ کی عنایات پر خاص طور پر روشنی ڈالتے ہوئے کافی نصیحت آمیز کلمات ارشاد فرمائے، حضرت کی گفتگو کے بعد صلاۃ و سلام پیش کیا گیا اور آپ ہی کی دعاؤں پر جلسے کا اختتام عمل میں آیا، اس دوران اسٹیج پر جامعہ امجدیہ کے اساتذہ سمیت ملک و بیرون ملک سے تشریف لانے والی کئی اہم شخصیات جلوہ گر رہیں!۔

عرس کا دوسرا دن:

مؤرخہ 23 مئی بروز منگل عرس کا دوسرا اور آخری دن تھا، بعد نماز فجر آستانہ عالیہ صدر الشریعہ پر قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا، بعد نماز ظہر زائرین لنگر شریف کی برکتوں سے مستفیض ہوئے اور تقریباً ساڑھے تین بجے جلوسِ چادر اپنی روایتی شان و شوکت کے ساتھ قادری منزل سے حضور محدث کبیر کی قیادت میں رونما ہوا اور نعت و منقبت، ذکر و اذکار سے معمور روح پرور ماحول میں آستانہ عالیہ تک پہونچا جملہ معتقدین اور شہزادگان کی موجودگی میں قل و فاتحہ پڑھ کر شجرہ خوانی ہوئی اور جملہ سلاسل خصوصاً سلسلہ عالیہ، قادریہ، برکاتیہ، رضویہ اور امجدیہ کے تمام بزرگانِ دین کی ارواح پاک کو ایصال ثواب کیا گیا اور موجودہ حالات کے پیشِ نظر مسلمانانِ عالم کے حق میں خصوصی طور پر دعا کی گئی، گزشتہ شب کی طرح بعد نماز عشاء جلسے کا آغاز ہوا، قرآن مجید کی تلاوت سے فضا معطر ہوئی اور اس کے بعد نعت و مناقب اور تقریر کا سلسلہ شروع ہوا، جامعہ امجدیہ رضویہ کے باذوق طلبہ سمیت باہر سے تشریف لائے مہمانوں نے اپنی اپنی عقیدتوں کا اظہار نظم و نثر کی صورت میں پیش کیا، قاری غلام رسول صاحب نوری نے منقبت کے اشعار پیش فرما کر علماء و عوام محظوظ کیا اور اس کے بعد جامعہ کے شیخ الحدیث، خلیفہ حضور تاج الشریعہ و حضور محدث کبیر، حضرت علامہ مولانا مفتی شمشاد احمد مصباحی صاحب کی صدر الشریعہ کی دینی خدمات کے حوالے سے بہترین تقریر ہوئی، عوام میں موجود کچھ افراد نے ویڈیو سازی کی جسارت کی تو حضور محدث کبیر دام ظلہ نے بڑے ہی شاندار انداز تصویر کشی کرنے والوں کی اصلاح فرمائی اور احادیث کی روشنی میں تصویر کشی کی حرمت کو واضح فرمایا اور عوام کو اس سے باز رہنے کی تلقین فرمائی، حضرت کی گفتگو کے بعد بیرون ملک ساؤتھ افریقہ سے تشریف لائے مہمان خطیب، مبلغ اسلام، معتمدِ حضور محدث کبیر حضرت علامہ مولانا آفتاب قاسم صاحب نے انگلش زبان میں کافی عمدہ اور اصلاحی خطاب فرما کر عوام و خواص بالخصوص کالج اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے طلبہ کی ذہن سازی کرنے اور انہیں مسلکِ اعلیٰ حضرت سے جوڑنے کی کوشش کی، آپ کے بعد ملک ہندوستان کے مشہور و معروف شاعر و نقاد محترم حلیم حاذق نے مسلکِ

اعلیٰ حضرت کے حوالے سے چند اشعار پیش فرمائے، اس کے بعد دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی سے تشریف لانے والی عظیم علمی شخصیت، تاج الفقہاء، رأس العلماء، خلیفہِ حضور تاج الشریعہ و حضور محدث کبیر حضرت علامہ مولانا مفتی اختر حسین صاحب قبلہ علیمی دام ظلہ کی بارگاہ میں دعوت خطاب پیش کیا گیا، آپ نے مائک سنبھالتے ہی اپنی تقریر کا ایسا جوہر پیش کیا جس سے پورا ماحول ایک الگ منظر نامہ پیش کرنے لگا، تقریباً پون گھنٹے کی تقریر کے دوران ہر شخص آپ کے جملوں کی ندرت اور لطافت سے پورے طور پر محظوظ ہوتا رہا، تقریباً ساڑھے بارہ بجے قل شریف کی محفل کا آغاز ہوا، تلاوتِ کلام کے بعد شجرہ خوانی ہوئی اور حضور محدث کبیر دام ظلہ کی رقت آمیز دعا کے ساتھ یہ مختصر محفل ختم ہوئی۔

رسم دستار بندی:

سر زمین ہندوستان کا عظیم دینی ادارہ مادر علمی جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی جو اپنے روزِ ازل سے تشنگان علوم نبویہ کی سیرابی، اسلام کے عقائد کی حفاظت اور اسلامی افکار و روایات کی پاسداری کے ساتھ تمام فرقِ باطلہ اور افکارِ فاسدہ کے خلاف سد سکندری کی طرح ڈٹا ہوا ہے، اور قرآن و احادیث، سلف و صالحین سے آنے والے متوارث دین کو اسکی اصلی حالت میں نئی نسلوں تک پہنچانے کے کام میں سرگرم ہے، یہ ادارہ صرف ایک تعلیم گاہ نہیں بلکہ ایک تحریک، ایک مکتب فکر اور ایک بحر بیکراں کی حیثیت رکھتا ہے، جو اہلسنّت کا سچا ترجمان، مسلک حق کا صحیح ترین پاسبان، سرکار صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کا روحانی فیضان، حضور محدث کبیر دام ظلہ کے خونِ جگر سے سینچا ہوا علم و حکمت اور فکر و آگہی کا سرسبز و شاداب گلستان ہے۔ اس ادارے سے ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں علما و حفاظ فارغ ہو کر ملک و بیرون ملک میں سواد اعظم اہلسنّت کی خدمات انجام دیتے ہیں، امسال بھی مختلف شعبہ جات سے فارغ التحصیل طلبہ کو دستار و سند سے نوازا گیا جن کی مختصر فہرست یہ ہے:

تخصص فی الفقہ: 3 فضیلت: 64

فضیلت خصوصی: 10 حفظ: 8

قرأت حفص و سبعہ: 93

جن کی مجموعی تعداد: 178 ہے۔

دستار بندی کی رسم ادا کرنے کے بعد حضور محدث کبیر دام ظلہ نے مختصر مگر جامع بڑی ہی ناصحانہ اور معنیٰ خیز گفتگو عوام اور طلبہ کے سامنے پیش فرمائی اور عوام اہلسنّت بالخصوص فارغین سے مسلکی تصلب کا حلف لیا، صلاۃ و سلام کے نذرانے پیش کیے گئے اور حضور محدث کبیر دام ظلہ کے ہی دعائیہ کلمات پر عرس کی جملہ تقریبات کا کامیاب اختتام ہوا۔

عرس کی تقریبات میں شرکت فرمانے والے مخصوص اور قابلِ ذکر علما کے ناموں کی فہرست: شہزادہ حضور صدر الشریعہ علامہ بہاء المصطفیٰ صاحب قبلہ، جامع معقولات و منقولات حضرت علامہ مولانا فداء المصطفیٰ صاحب قبلہ، شہزادہ حضور محدث کبیر، حضرت علامہ مولانا علاء المصطفیٰ صاحب قبلہ، شیخ جلیل حضرت علامہ مولانا جمال مصطفیٰ صاحب قبلہ، جانشین حضور محدث کبیر حضرت علامہ مولانا ابو یوسف ازہری صاحب قبلہ، حضرت علامہ مولانا مفتی محمود صاحب قبلہ، حضرت علامہ مولانا مفتی فیضان المصطفیٰ صاحب قبلہ، حضرت علامہ مولانا شاہد رضا صاحب قبلہ، حضرت علامہ مفتی آفتاب قاسم صاحب قبلہ، حضرت علامہ مفتی اختر حسین علیمی صاحب قبلہ، حضرت علامہ مولانا عبد الرحمٰن صاحب قبلہ، حضرت علامہ مولانا صدیق صاحب قبلہ، حضرت علامہ مولانا مفتی شمشاد احمد صاحب قبلہ، حضرت علامہ مولانا عرفان المصطفیٰ صاحب قبلہ، حضرت علامہ مولانا مفتی خورشید عالم صاحب قبلہ، حضرت علامہ مولانا نوید اختر صاحب قبلہ وغیرہ

□□□

R.N.I.NO. UPURD/2005/14670

SEHMAHI AMJADIA

TAIBATUL-ULAMA JAMIA AMJADIA RAZVIA GHOSI MAU U.P. (INDIA)

Vol. 16

Issue: 65

Jul. Aug. Sep. 2023